رُک جاؤ ناں!

نبیلہ ابر راجہ

ناولٹ

نبیلہ ابر

رُک جاؤ ناں

ثمن کھوئی کھوئی نظروں سے پانی میں شور مچاتی زویا، دانیہ اور سعدی کو دیکھ رہی تھی۔ لڑکے بھی پانی میں شرارتیں اور اٹھکھیلیاں کر رہے تھے۔ اشعر نے عامر کو اٹھا کر پانی میں پھینک دیا تھا اور اب عامر اسے قابو میں کیے اس کے سینے پر بیٹھا گدگدیاں کر رہا تھا اور اشعر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ غازی اور فیصل دونوں کی کشمکش دیکھ رہے تھے بلکہ حسب توفیق عامر کی مدد بھی کر رہے تھے۔ فورا" جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پاس پڑے پتھر پر بیٹھ گئی۔ اشعر نے تینوں کا گھیرا توڑ دیا تھا۔

"تم سے تو میں نپٹ لوں گا۔" اس نے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دھمکی دی۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ ابھی اپنا کہا پورا کر گزرتا، شکر کہ وہ ثمن کی طرف بڑھ گیا۔

"کیوں اداس ہو، مرغی چوری ہو گئی ہے یا دل؟ اگر دل چوری ہوا ہے تو فکر مت کرو میرے پاس ہے لے لینا، پر مرغی میرے پاس نہیں ہے۔" وہ بڑے سنجیدہ لہجے میں بولا وہ خاموش رہی۔

"دیکھو یوں چپ چپ نہیں رہا کرو، فسوں پھیلاؤ خوشیاں مناؤ آفٹر آل میرے جیسا ہینڈسم لڑکا کسی کسی کو ملتا ہے۔" اس ا
سے دیکھ رہی۔

"ثمن یہ تمہارے بازو پر کیا رنگ لگا ہے۔" اشعر نے اس کی دودھیا کلائی پکڑ لی۔

"کلنک کہاں؟" وہ بری طرح خوفزدہ ہو گئی۔

"یہاں" اشعر نے ادھر ادھر دیکھا اور جھٹ اپنے لب اس کی کلائی پر رکھ کر جسارت کر دی۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے ایک دم پیچھے ہٹی اور ادھر ادھر نظر دوڑائی کہ کسی نے یہ منظر تو نہیں دیکھا، پر سب اپنی اپنی سرگرمیوں میں مگن تھے۔ وہ پتھر سے اتری اور زویا اور دانیہ کے پاس پہنچ گئی۔

"تھینک یو، میں یہی چاہتا تھا کہ سب کے ساتھ فسوں ہو تو۔"

اپنے پیچھے اس نے اشعر کی شریر اور پرجوش آواز سنی۔ اپنی کلائی پر ثمن کو ابھی تک اس گستاخی کی شدت اور تپش محسوس ہو رہی تھی۔ شام ڈھلے وہ ایک ہی فوڈ ریسٹورنٹ میں چلے آئے، وہیں اشعر کا دوست اسامہ اسے مل گیا تو باتوں باتوں میں وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ مغرب کی اذان کے بعد وہ گھر پہنچے۔

زہرا بیگم کا حکم تھا کہ ثمن کو سمندر کی سیر کرا لاؤ، ان سب کو تو پکنک کا بہانہ چاہیے تھا، صبح کے نکلے اب آئے تھے۔ کپڑے تبدیل کر کے ثمن زہرا بیگم کے بیڈ روم میں آگئی۔

"آؤ... آؤ... میرے پاس بیٹھو۔" وہ محبت سے مسکرائیں اور اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ وہ آج کی سیر کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ ادھر ادھر کی چند باتیں کرنے کے بعد ثمن بیڈ روم میں آگئی۔ تھکن سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ اشعر ابھی ٹی وی لاؤنج میں تھا۔ اس نے جلدی جلدی ڈبل بیڈ سے تکیہ اور چادر اٹھائی، کارپٹ پر تکیہ رکھ کر لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کر کے نیند کی دیوی کو بلانے لگی، ذہن نہ جانے کیوں اشعر کی سمندر پر کی جانے والی جرات پر الجھ گیا۔ بے اختیار اس نے اپنی کلائی پر دھیرے سے ہاتھ پھیرا جہاں اس کی گستاخی کا لمس ابھی بھی تازہ لگ رہا تھا۔

بھم کیا کریں۔" وہ بے بسی سے خود کلامی کرتے ہوئے بڑبڑائی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر سمن نے چادر منہ تک لے لی' اشعر بڑے خوشگوار موڈ میں جارج مائیکل کا نغمہ گنگناتے ہوا اندر داخل ہوا اور لائٹ آن کی' کمرا ایک دم تیز روشنی میں نہا گیا' لیٹے لیٹے وہ کسمسائی' اشعر نے رسٹ واچ اتار کر ٹیبل پر رکھی جوتوں سے پاؤں آزاد کیے' اور واش روم میں نہانے گھس گیا' چند منٹ بعد تولیے سے گیلے بالوں کو رگڑتا وہ برآمد ہوا اور معمول کے مطابق بالوں میں برش پھیرا' سمن نے گرمی کی وجہ سے چادر چہرے سے سرکا دی اور آنکھ کی جھری سے اسے دیکھنے لگی' بالوں کا خوبصورت جدید اسٹائل اور چوڑے مضبوط شانے پیچھے سے نظر آرہے تھے' اشعر پلٹا تو اس نے آنکھیں اور بھی مضبوطی سے بند کرلیں' اسے ایسے لگا کہ وہ جیسے اسے دیکھ رہا ہے' فوراً" اس نے کروٹ بدل کر اس کی طرف سے پشت کرلی۔

"او مائی گاڈ کیسی سنگدل لڑکی میری قسمت میں لکھی ہے۔"

اشعر دھیرے سے مسکرایا اور لائٹ آف کر کے نائٹ بلب جلا دیا۔

سمن کی آنکھ صبح معمول کے مطابق کھلی، وضو کر کے وہ جائے نماز پر کھڑی ہو گئی اور خشوع و خضوع سے نماز شروع کی۔ اشعر ایکسر سائز کرنے چلا گیا تھا۔ سمن فارغ ہو کر کچن میں آئی سب کی پسند کا ناشتا بن رہا تھا رضیہ نے اسے گرم گرم چائے کا کپ پکڑایا جو وہ یونہی تھامے لان میں نکل آئی۔ صبح پوری خوبصورتی کے ساتھ طلوع ہو رہی تھی چائے کے ساتھ ساتھ وہ اس خوبصورت منظر کو بھی دل میں اتارتی گئی۔

وانیہ یونیورسٹی کے لیے تیار ہو رہی تھی اور ندا کو بھی اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی جو کسلمندی سے ابھی تک بستر میں گھسی ہوئی تھی۔ اتنے میں امبر کا فون آ گیا کہ وہ بھی ابھی آ رہی ہے، بیس منٹ بعد وہ واقعی آ گئی۔ زہرا بیگم نے تو اسی کو اکیلے آنے پر ڈانٹا پر وہ مسکرا کر ان کے گلے سے لگ گئی۔ رضیہ اور اشرف ناشتے کے لوازمات ٹیبل پر سجا رہے تھے۔ سمن کو دیکھتے ہی امبر کے چہرے پر تناؤ آ گیا۔ سمن نے آہستگی سے سلام کیا وہ نخوت سے کندھے جھٹک کر رہ گئی۔ اشعر بھی نہا دھو کر آ چکا تھا اور امبر کے ساتھ اس کی کبھی نہ ختم ہونے والی باتیں شروع ہو گئی تھیں۔ سب ہنستے بولتے خوش دلی سے ناشتا کر رہے تھے، صرف ایک سمن ہی تھی جو بوائل انڈے کا ٹکڑا کانٹے میں پھنسائے بے دلی سے بیٹھی ہوئی تھی۔ سب مگن تھے کسی کی توجہ اس کی طرف نہیں تھی ہنستے ہنستے اشعر کی نظر اس پر پڑی گردن جھکائے کانٹا پلیٹ میں پھیرتی سمن کسی اور ہی جہان میں پہنچی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ والی کرسی پر سہل بیٹھی ہوئی تھی اشعر نے اسے اپنی سیٹ پر آنے کا اشارہ کیا وہ جھٹ سے اچھل کر اٹھ کر اس کی کرسی پر آ گئی۔

"اشعر آرام سے ناشتا کرو۔" زہرا بیگم نے ٹوکا اتنے میں وہ کرسی کھسکا کر سمن کے برابر بیٹھ چکا تھا۔ امبر نے تیکھی سی نظر اس پر ڈالی جبکہ فیصل اور غازی کھانس کر رہ گئے، زہرا بیگم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ

آ گئی، سمن کی طرف سے اب انہیں کوئی فکر نہیں تھی۔

"ناشتا کیوں نہیں کر رہی ہو؟ تمہارے ساتھ مجھے بھی بھوکا مارنے کا پروگرام ہے۔" وہ اس کی طرف جھک کر دھیرے سے بولا، سمن اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی سے ڈائننگ ہال چھوڑ گئی۔ سفید یونیفارم میں وہ کالج کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اب وہ اس طرح امبر تک کاٹی لوامان کرتی نظروں سے نکلتے زہریلے تیروں سے بچ کے محفوظ رہ سکتی تھی۔

☆—☆—☆

لان میں ایک ہنگامہ سا مچا تھا۔ امبر، اشعر، فیصل، عامر، غازی، سہیل، وانیہ، ندا سب کرکٹ کھیل رہے تھے، وہ ابھی ابھی کالج سے لوٹی تھی۔

"چھکا۔" آج کوئی بھی یونیورسٹی اور آفس نہیں گیا ہے۔" سمن نے دل میں سوچا اور بیگ رکھ کر نہانے چلی گئی، زہرا بیگم اور تائی اماں بھی گھر میں نہیں تھیں وہ اور ولید افراسیاب کے پوتے کے عقیقے میں گئی ہوئی تھیں۔ سمن نہائی تو ہی ہوئی اس نے کھانا بھی نہیں کھایا، جہازی سائز ڈبل بیڈ پر لیٹتے ہی اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں ویسے بھی رات کو دیر سے سونے کی وجہ سے وہ تھکی ہوئی تھی۔

"امبر یار میں نہیں کھیلتا بہت گرمی لگ رہی ہے۔" اشعر نے بیٹ پھینک کر بیزاری ظاہر کی۔

"ابھی گیم ختم نہیں ہوا شرافت سے کھیلو۔" وہ سب یک زبان ہو کر چلائے۔

"میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں تم سب شوق سے کھیلو۔" ساتھ ہی اس نے قدم آگے بڑھائے، امبر زور زور سے چلا رہی تھی۔

"بے ایمان، بے ایمان۔" پر وہ نظر انداز کر گیا، یوں بھی کئی گھنٹے سے دھوپ میں کھیل کھیل کر وہ تھک گیا تھا۔

اندر کا ماحول بڑا ٹھنڈا اور خوشگوار تھا وہ جاتے ہی بیڈ پر گر گیا، چند لمحے بعد جب آنکھیں کھولیں کمرے کے ماحول سے مانوس ہو گیا تو سمن کو بیڈ پر سوتے پایا، اسے جھٹکا سا لگا ایک ہاتھ رخسار کے نیچے اور

وہ سرا تکیے کے گرد لپیٹے ہوئے بے خبر سو رہی تھی۔ سوتے ہوئے وہ بڑی دلربا لگ رہی تھی۔ خود تو سو رہی تھی مگر دیکھنے والے کے ہوش اڑا رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ ہی سے کروٹ بدل کر دیکھنے لگا۔ کیسی کیسی وحشی اور باغیانہ خواہشیں اس کے اندر تڑپنے لگیں۔ سرکش جذبے بغاوت پر آمادہ ہو گئے تو وہ گھبرا کر باہر نکل آیا۔ وہ سب اسی طرح کھیل رہے تھے۔

"میں ابھی آ رہا ہوں۔" اس نے امیر کو مطلع کیا اور ٹھنڈا پانی پینے چلا گیا۔ فریج سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے اس کی نظر کچن کے پیچھے پڑی تو اسے ہنسی چھوٹ گئی۔ فیصل اور عامر دونوں چھپنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ اس نے پیچھے جھک کر دیکھا تو سب جان گیا۔ دونوں لوبا کے لائے گئے کیک پہ ہاتھ صاف کر رہے تھے۔

"میرا حصہ بھی دو ورنہ ابھی لوبا کو بتا دوں گا۔" اشعر نے دھمکی دی۔

"تو یار مل بانٹ کر کھاتے ہیں۔" فیصل کو ناچار اسے بھی شریک کرنا پڑا۔ ابن لعل کیک واقعی بہت مزیدار تھا۔ منٹوں میں ختم ہو گیا۔ اشعر نے چپکے سے ہاتھوں پہ لگی کیک کریم عامر کی شرٹ سے صاف کی اور کیک کی باقیات ہٹانے سے پہلے دیتے ہوئے اس کی شرٹ پہ مل دی۔

سحر دو ڈھائی گھنٹے بعد سو کر اٹھی تو خاصی فریش تھی۔ کھلے بالوں میں وہ آتی ہوئی باہر نکل آئی۔

"آپ کو پتی اللہ یاد فرما رہی ہیں۔" رضیہ نے آ کر کہا تو سحر نے چپل پہ نظر دوڑائی۔

"ہوں ٹھیک ہیں بس بالوں میں برش کر لیتے ہیں۔"

زہرا بیگم اور چھوٹی نانی (اس کی ساس) کو اس کا یوں سادہ رہنا بالکل پسند نہیں تھا۔ لمبے بالوں کی سحر نے کس کر چوٹی بنائی آنکھوں میں ہلکا سا کاجل بھی لگایا اور آئینے میں مطمئن ہو گئی۔

"السلام علیکم۔" اس نے اپنی مخصوص دھیمی آواز میں سب کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام میں تمہارا انتظار کر رہی تھی کہ کب اٹھتی ہو۔" زہرا بیگم نے محبت بھری نگاہیں اس پہ ڈالیں۔

"پھپھو دادی جان خیریت تو ہے نا۔" یک دم وہ پریشان ہو گئی۔

"ہاں بیٹا سب ٹھیک ہے ہم چائے پر تمہارا انتظار کر رہے تھے۔" چھوٹی نانی نے اس کی تشویش رفع کی۔

"بھابھی ادھر آ جائیں ہمارے ساتھ۔" نازی نے اسے پکار لیا۔

"سحر بھی میرا کیک کہاں گیا۔ سب جگہ دیکھ لیا ہے۔ صرف تمہیں پتا تھا کہ میں نے کیک کہاں رکھا ہے۔" لوبا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ سحر کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے کیا پتا۔" عامر اور فیصل خود کو لاتعلق رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ اس لیے وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔ عامر کی شرٹ پر لگی کریم نے اسے مجرم ثابت کر دیا تھا۔ بس پھر کیا تھا لوبا نے کیسی منحوسی میں جھگڑے لیے وہ واویلا کرنے لگی۔ اشعر اور فیصل کے نام بھی جھٹ اگل دیے۔ وہ اس کے پاس چھوڑ کر ان کی طرف مڑی، پر وہ کہاں اس کے ہاتھ آنے والے تھے۔ زندگی کو ... وہ زور زور سے رونے لگی۔ عامر کہاں اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت کر سکتا تھا۔

"پلیز لوبا آئی ایم سوری مجھ سے کیک کے پیسے لے لو۔" وہ گھٹنوں کے بل اس کے پاس بیٹھ گیا۔ لوبا کی سسکیوں میں شدت آ گئی۔

"تم تینوں نے کیک کھایا ہے، تینوں پیسے دو، پھر سب کو آئس کریم کھلاؤ۔" اس نے خاصا مہنگا مطالبہ کیا تھا۔ جو فیصل کو ایک آنکھ نہیں بھایا۔ اس نے دس روپے نکال کر لوبا کے ہاتھ پر رکھے۔

"تمہارے سڑے ہوئے کیک کی یہ قیمت ہے۔" اشعر نے ٹہوکا لگایا۔

"اوئے ظالم اپنا ہتھوڑے جیسا ہاتھ روک لے۔"

عامر نے فیصل کو سنبھالتے ہوئے گلے سے گھورا۔ اشعر دو دن بعد مسٹر پاکستان ہو چکا تھا۔ روزانہ کسرت کرتا تھا باقاعدگی سے ہٹ کر اس نے گھر میں کلب تعمیر

کروایا تھا' جہاں وہ باقاعدگی سے اپنی فٹنس برقرار رکھنے کے لیے یوگا کی مختلف مشقیں اور ایکسرسائز کرتا تھا' دیگر کزنز اس کے باڈی بلڈر ایسے جسم پر بڑا رشک کرتے تھے۔

وہ گاڑیوں میں بھر کر "ہسٹوری" چلے گئے' سب نے اپنے اپنے پسندیدہ فلیور کی آئس کریم منگوائی' اشعر' امبر' دانیہ' سمن ایک گاڑی میں تھے' امبر فرسٹ سیٹ پر اشعر کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی' سمن نہ چاہتے ہوئے بھی ان پر توجہ دے رہی تھی' امبر نے اپنی آئسکریم ختم کرنے کے بعد اشعر کی آئسکریم پر جھپٹا مارا' اس چھینا جھپٹی میں اشعر کی شرٹ پر آئسکریم گر گئی۔

"اوہ' ساری عیدی کیسی کی۔" اشعر افسوس بھرے انداز میں اپنی شرٹ کا حشر دیکھ کر رہ گیا۔

"میں صاف کردیتی ہوں۔" امبر اپنے دوپٹے سے اس کی شرٹ صاف کرنے لگی' اس کوشش میں وہ اس کے بالکل قریب آگئی تھی' سمن کی آنکھوں میں یہ منظر کانٹے کی طرح چبھا تھا' وہ ان دونوں ہی کی طرف دیکھ رہی تھی' آئس کریم پگھل پگھل کر اس کی قمیص کے دامن کو تر کرنے لگی۔

"سمن جلدی سے آئس کریم کھاؤ پگھل رہی ہے۔" سونی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ ہی لے لیں' مجھے ویسے بھی یہ پسند نہیں ہے۔" اس نے جھٹ اپنی آئسکریم اسے تھما دی۔

"تمہیں کیا یہ فلیور پسند نہیں ہے۔" اشعر باہر نکل آیا تھا' امبر بھلا کیوں پیچھے رہتی۔

"بد ذوق لوگوں کو ان مزوں کا کیا پتہ۔" وہ سراسر سمن کا مذاق اڑا رہی تھی' وہ خاموش ہی رہی' اشعر نے چہرہ گھمایا اور سمن کی طرف جھکا۔

"تم کون سا فلیور کھاؤ گی؟"

"مجھے کوئی بھی فلیور پسند نہیں ہے۔" نہ جانے کیوں اس کے لہجے میں تلخی آگئی تھی' امبر کو اشعر کی توجہ بالکل پسند نہیں آئی تھی۔ [illegible]

"میں گھر کے لیے بھی پیک کروا کر لے جاؤں گی۔" امبر اب پیک کروانے کی فکر میں تھی۔

"تمہاری دکان سے جانا۔" اشعر نے فراخدلی سے کہا۔

"بھابھی ہم دونوں مل کر کھاتے ہیں۔" غازی اسے یونہی بیٹھے دیکھ کر چلا آیا۔

"نہیں ہم نہیں کھاتے۔" اس نے انکار کیا۔

"دیکھیں بھابھی اگر آپ نے نہیں کھایا تو میں ناراض ہوجاؤں گا۔" وہ منہ پھیر کر کھڑا ہوگیا۔

"اچھا لاؤ ہم کھالیتے ہیں۔" اس نے خود ہاتھ آگے بڑھایا۔ "ہوں یہ ہوئی نا بات۔" وہ مسرور سا ہوگیا' چھوٹا سا لڑکا جو تقریباً اس کا ہم عمر تھا' اسے بہت عزیز تھا' ایف ایس سی سیکنڈ ایئر کا اسٹوڈنٹ غازی سمن کا بے حد خیال رکھتا تھا' وہ بھی پورے گھر میں اس سے آرام سے کھل کر بات کرسکتی تھی۔

غازی نے سمن کی طرف آئسکریم والا ہاتھ بڑھایا' اشعر نے آرام سے آئس کریم لے لی۔

"ہمارے ہاتھ سے ہی کھالیں۔" وہ مسکرایا تھا۔

"ٹھیک ہے ہم اور تم ہی کھاتے ہیں اب۔" وہ ہنسی' مسکرائی' سمن کا جیسے دم سرد ہو گیا۔

"نہ کھائیں' ہم تو کھائیں گے' سنا ہے' ایک دوسرے کا جھوٹا کھانے سے محبت بڑھتی ہے۔" اشعر نے بھی اسی جگہ سے کھانا شروع کردیا جہاں سے سمن نے چھوڑا تھا' وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

*_*_*

زہرا بیگم اور جمال قدر کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی' سب شادی شدہ اور صاحب اولاد تھے' سب سے بڑے دانیال صاحب کا ایک بیٹا عامر اور ایک ہی بیٹی دانیہ تھی' ان سے چھوٹے ایاز صاحب کے دو بیٹے اشعر اور غازی تھے' جبکہ حارث صاحب کی دو بیٹیاں نیلا اور سونی اور ایک بیٹا فیصل تھا' شمرا کی صرف ایک بیٹی امبر تھی۔

جمال قدر اپنی بیوی کے ساتھ تقسیم ہند کے وقت پاکستان چلے آئے تھے' وہاں بھی بڑی شاہانہ زندگی گزاری تھی' یہاں بھی اوپر والے نے دولت و عزت سے خوب نوازا تھا' ان کے کئی کارخانے اور فیکٹریاں چل رہی تھیں' آٹھ سال پہلے جمال قدر وفات پا چکے

تھے جب زہرا بیگم نیک اور سعادت مند اولاد اور محبت کرنے والے پوتے پوتیوں کو دیکھ کر جی رہی تھیں' سب مل جل کر محبت سے رہ رہے تھے' اچھی روایات کی امین یہ فیملی پاسداری کرتی تھی۔

سمن کی کالج کی گرمیوں کی چھٹیاں ہو چکی تھیں' زہرا بیگم اور شمسی اشعر پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ سمن کو کہیں گھمانے پھرانے لے جائے' شادی کو دو ماہ ہو چکے تھے' پر وہ کہیں بھی نہیں گئے تھے' ابھی پروگرام بن ہی رہا تھا کہ دانیال صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا' سارا گھر بہت پریشان تھا' پر شکر کہ انہیں زیادہ نقصان نہیں پہنچا تھا' چند دن میں ہی ڈاکٹرز نے انہیں ڈسچارج کر دیا تھا' شمسی بیگم نے پھر کہا کہ دونوں گھوم پھر آؤ' اشعر سخت مشکل میں تھا' وہ یہ تک جانتا تھا' تنہائی اسے بے قابو کر دے گی' وہ اپنے ہی قول سے پھر جائے گا' سمن خود بھی جانا نہیں چاہتی تھی' پر بڑوں کے آگے ان دونوں کی ایک نہ چلی' "کہیں جانا ہی ہے" اشعر نے شمالی علاقہ جات کو چنا تھا' سب سے پہلے وہ کاغان پہنچے' سب سے اچھے ہوٹل میں کمرا لینے کے بعد وہ تازہ دم ہونے کے لیے غسل کرنے چلا گیا' اچھی خاصی سردی تھی' سمن کو اندازہ نہ تھا کہ یہاں ایسا موسم ہوگا' کیونکہ جنوری سے بھی شروع ہو چکا تھا' اس کی چھٹیاں تقریباً ختم ہونے والی تھیں' کالج دوبارہ کھلنے میں بھی تھل تھل میں گزار دیے تھے' لاہور کا موسم تو ٹھیک ٹھاک گرم تھا' یہاں اچھی خاصی خنکی تھی' وہ اس کا اندازہ نہ لگا سکی تھی۔

غسل کے بعد اشعر نے کھانا کمرے میں ہی منگوا لیا' سمن نے چند نوالے ہی لیے' دل چاہ رہا تھا کہ لمبی تان کر سو جائے' اشعر نے لاکھ کہا کہ ذرا باہر تک چلتے ہیں' پر وہ نہ مانی تو وہ اکیلا ہی نکل گیا۔

موسم یکایک بدل گیا' آسمان گہرے بادلوں کی لپیٹ میں تھا' دیکھتے ہی دیکھتے بارش شروع ہو گئی' اشعر موسم سے لطف اندوز ہو کر دیر سے آیا' رات گہری ہو رہی تھی' وہ کھڑکی کے پاس کھڑی تھی' آنکھیں نیند کے بوجھ سے بوجھل ہو رہی تھیں مگر وہ بے چینی سے کانپ رہی تھی' اشعر نے گیلی جیکٹ اتاری اور ٹیبل پر رکھا

میگزین اٹھایا' وہ مزے سے کمبل میں گھسا میگزین پڑھ رہا تھا' کافی دیر سمن کو نظر انداز کرتا رہا' پر کہاں تک' آخر اسے پکار بیٹھا۔

"پلیز سمن یہاں آ جاؤ۔" اس نے بیڈ پر جگہ بنائی پر وہ ان سنی کر گئی' تھوڑا اس نے روم سروس کو فون کر کے ایک اور کمبل لانے کے لیے کہا' چند منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس کم ان۔" اشعر بولا' ہوٹل کا ملازم کمبل اٹھائے کھڑا تھا' اس نے چور نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا اور کمبل رکھ کر مڑا۔

"صاحب کیا بیگم صاحبہ سے لڑائی ہو گئی ہے؟" وہ بڑا شوخ ہو رہا تھا' اشعر نے تیز نظروں سے اسے گھورا تو وہ کھسیا کر فوراً باہر نکل گیا' اشعر نے میگزین رکھا اور چلتا ہوا اس کے پاس آ گیا' سمن نے بھیگی پلکیں اٹھائیں' مقابل اشعر تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ بڑے دھیمے لہجے میں مخاطب ہوا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ ذرا اٹک گئی۔

"تو لو اور سو جاؤ۔" اشعر نے حل پیش کیا۔

"نن۔ نہیں' مجھے آپ سے ڈر لگ رہا ہے۔" اس نے اصل وجہ بتائی۔

"مجھ سے؟" اس نے اپنی طرف اشارہ کیا' سمن کا سر زور سے ہاں میں ہلا تھا۔

"آپ کو ہم سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' اپنے اس قاتل روپ سے ڈرو جو ہم جیسوں کو بہکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔" اشعر کے معنی خیز فقرے اس کی دھڑکنوں کو اتھل پتھل کر گئے' اس نے شکوہ کرتی نظریں اٹھائیں' اشعر اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ سو جائیں پلیز۔" وہ گھبرا گئی۔

"نیند کس کافر کو آئے گی۔" اس نے الٹا سوال داغا۔

"اگر میں نہ سویا تو تم کیا کرو گی میرا؟" تپتی سی وہ تپ گئی' اشعر کے تیور بدل گئے تھے' سوال کر کے کھڑی ہو گئی۔

"آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔" سمن کی آنکھیں

برسنے لگیں۔

"تو میں وعدہ کب توڑ رہا ہوں۔" وہ اٹھ کر دوبارہ اپنی جگہ چلا گیا تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

♥—♥—♥

سمن نے پریشان سی نظر گھڑی پر ڈالی آٹھ بج چکے تھے شعروین ابھی تک نہیں آئی تھی جبکہ سنبل بھی نے تو بجے سے پہلے آنے کی تاکید کی تھی' آج اکنامکس کا بہت اہم ٹیسٹ تھا' اور وقت کی پابندی کے معاملے میں وہ بہت سخت تھیں' اب تو آٹھ بیس ہو گئے تھے' وین کے آنے کا کوئی چانس نہ تھا' اشعر کے سوا تمام لوگ آفس و یونیورسٹی جا چکے تھے' وہ بڑے ٹھاٹ سے دس بجے کے قریب آفس جاتا تھا' سمن ڈائننگ ہال میں چلی گئی' اشعر کے سامنے اخبار کھلا پڑا تھا اور ہاتھ میں چائے کا کپ تھا' اشعر نے آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا' سفید یونیفارم میں لپٹے دلربا نقوش سمیت بڑی فیمنیں معصوم اور سویٹ کی ایلین کرن کی مانند وہ بڑی اچھی اچھی لگ رہی تھی' وہ اخبار چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا جو گلابی ہاتھوں کو مروڑ رہی تھی۔

"آپ مجھے کالج چھوڑ آئیں گے۔" اس نے بڑی امید بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ایسے نصیب کہاں تمہیں چھوڑ کر آئیں گے۔" اشعر خوش دلی سے بولا تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

"آؤ۔" اشعر نے اشارہ کیا اور باہر نکل آیا' وہ نوٹ نہ کر سکی کہ اس کی آنکھوں میں کیسی کیسی شرارتیں ناچ رہی ہیں' وہ عامر کی نئی ہیوی بائیک اسٹارٹ کر کے باہر لے آیا تھا' سمن نے موٹر سائیکل دیکھ کر جھرجھری سی لی' پھر دل مضبوط کر کے بیٹھ گئی' وہ کبھی اس سواری پر نہ بیٹھی تھی ویسے بھی جب سے قاتا موٹر سائیکل سے گر کر اپنی ٹانگیں تڑوا بیٹھی تھی تب سے وہ اس سواری سے خوفزدہ رہتی تھی۔

اشعر اچھا خاصا قوی ہیکل تھا اس کے پیچھے سمن جیسی دو لڑکیاں با آسانی چھپ سکتی تھیں' سمن نے اس کی دونوں کو دور اور سر جھٹک کر کافی مضبوطی سے پکڑا' اشعر نے رفتار ایک دم بڑھا دی تھی۔

"پلیز اسپیڈ آہستہ کریں ہم گر جائیں گے۔" وہ اس کے کان کے قریب زور سے چلائی اور اپنے ہوا سے اڑتے دوپٹے کو بمشکل سنبھالا تاکہ ہاتھوں سے پھسلی جا رہی تھی' بال الگ ہوا سے اڑ اڑ کر چہرے پر آ رہے تھے' اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ سواری آگے یوں لگتا جیسے ابھی گر جائے گی۔

"تمہیں کچھ نہیں کرنے دوں گا مجھے پکڑ لو۔" دوسری طرف مکمل اطمینان تھا۔

وہ بلا کی اشعر بھی کم نہ تھا' خالی سڑک پر جیسے اسے ستانے کا تہیہ کیے ہوئے تھا' جب اس نے موٹر سائیکل کی رفتار اور بڑھائی تو سمن نے ڈر کر اس کی شرٹ پیچھے سے مضبوطی سے پکڑی' اسے یوں لگا جیسے گر کر ابھی نکل جائے گی تبھی تو آنسو نکل آئے۔

"مجھے تو یہ سواری بڑی پسند ہے' سارے فاصلے مٹ جاتے ہیں۔" اشعر کو اس کے خوف کی بالکل بھی پروا نہ تھی۔

"اور آپ جانتے کیا ہیں؟" وہ شرٹ پکڑتے پکڑتے اس کے خاصے قریب ہو گئی تھی۔

"مطلب یہ سمجھو دل والے ہو رہی۔" وہ شرارت سے بولا تو سمن نے شرٹ چھوڑ کر پیچھے سے سہارا لینے کی کوشش کی لامحالہ اسے شرافت سے بائیک چلانی پڑی۔

♥—♥—♥

سمن نے بریانی دم پر رکھی اور کباب تلنے کے لیے نکالے سلاد اور کسٹرڈ وہ پہلے ہی بنا کر رکھ چکی تھی' لسی آخری آئٹم تھا۔

"یار کب تک کھانا ملے گا؟" اشعر نے اندر جھانکا اور آگے بڑھ آیا' چولہے کے عین سامنے سمن تھی' اس نے سمن کی پشت پر سے جھک کر پتیلی کا ڈھکن اٹھایا' نرم و نازک سی سمن اشعر کے لیے چوڑے وجود کے سامنے میں چھپ کر رہ گئی وہ اس کے بہت قریب تھا۔

"اف جل گیا۔" اشعر نے ڈھکن فوراً چھوڑ دیا "زیادہ جل گیا ہے۔" نرم دلی سمن فوراً

گئی۔

"ہاں ہائے اللہ۔" وہ چیخا۔

"کہاں سے جلا ہے ذرا دکھائیے۔"

اشعر نے ہاتھ فوراً آگے کر دیئے۔ سمن نے شک
لی میں کھولا اور اس کی طرف مڑی۔

"لائیے اپنا ہاتھ۔" اسے کو کیا چاہیے تھا دو آنکھیں۔ اس نے جھٹ اپنا ہاتھ اسے تھما دیا۔ سمن نے بڑی احتیاط سے اس کا ہاتھ پکڑا کہیں بھی جلنے کا نشان نہ تھا۔

"یہاں تو کہیں بھی جلنے کا نشان نہیں ہے۔" وہ حیران ہوئی اشعر نے کمال ہوشیاری سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیے تھے۔

لفظے لفظے اس کے بات
چھونا چاہو تو ہاتھ جلیں

سمن نے خفگی سے اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔

"اف جل گیا۔" وہ پھر چیخا اب کے سمن نے کھل [illegible]۔

"اچھا کھانا کب بنے گا؟" وہ بے صبری سے بولا۔

"دس منٹ میں تیار ہے سب کچھ۔" وہ ہنستی سے بولی۔

"اگر دس منٹ تک تیار نہ ہوا تو میں تمہیں کھا جاؤں گا۔" آخر میں وہ خود ہی ہنسنے لگا، سمن کباب تل کر پلیٹ میں نکالنے لگی۔ اشعر نے ایک کباب اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

"فنٹاسٹک سمن آرا ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں ایک عدد انعام دیا جائے کیونکہ کباب تم نے بڑے زبردست بنائے ہیں۔" اشعر کا انداز ایسا بے ساختہ تھا سمن کے لبوں پہ بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ گو وہ نہ تھا یہ لاابالی اور لاپروا سا لڑکا نہایت ہونہار انجینئر ہے کھانے کی سب نے ہی تعریف کی۔ اپنائیت کا احساس رگ و پے میں خوشی بن کر دوڑنے لگا تھا۔

"بیٹا سمن فارغ ہو کر میرے پاس آنا۔" زہرا بیگم نے کچن سے نکلتے ہوئے نظر اسے دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی پھر سے برتن دھلوانے کے بعد وضو کر کے مصلے کی طرف بڑھ گئی۔ خشوع و خضوع سے دعا مانگی اور پھر زہرا بیگم کے پاس چلی گئی، جو ایک کتاب پڑھنے میں مگن تھیں اسے دیکھ کر انہوں نے کتاب رکھ دی۔

"سمن! اشعر کے ساتھ خوش تو ہو نا؟" وہ امید نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ سمن کو "جی" کہنا ہی پڑا۔

"اچھا وہ بات اسے بتائی کہ نہیں۔" اگلا سوال بہت خطرناک تھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی کا اعتراف کیا۔

"اچھا چھوڑو میں مناسب موقع دیکھ کر خود بتا دوں گی تم واقعی بڑی پاگل ہو۔" انہوں نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا اور اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ سمن کے رواں رواں میں آسودگی بھر گئی وہی ممتا بھرا لمس تھا جس کے لیے وہ ترستی تھی۔

"میری بچی خدا ہمیشہ خوش رکھے تمہیں میں نے سب سے اچھے لڑکے کا انتخاب کیا ہے، جو وقت کے تمہیں ہر طرح کا تحفظ دے سکتا ہے، اس کے دم سے اس گھر میں رونق ہے، بہت مخلص اور اچھا ہے۔" زہرا بیگم کہیں کھو سی گئی تھیں۔

†—†—†

کالج سے لوٹی تو غیر معمولی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے صدیوں سے یہ گھر خالی ہے، کسی انسان کے وجود سے نا آشنا ہے۔ اس نے سب کمرے دیکھ لیے تھے ایک فرد بھی نہیں تھا وہ بوجھل قدموں سے ان کی طرف بڑھی سولی بہت پریشان لگ رہی تھی، اسے ایسے لگا کہ جیسے کوئی انہونی ہو گئی ہے۔

"کیا بات ہے، سب لوگ کہاں ہیں؟" اس نے خدشات سے گھبراتے ہوئے سوال کیا۔

"سمن دادی جان کی حالت اچانک خراب ہو گئی ہے، سب اسپتال میں ہیں۔ مجھے اشعر بھائی نے کہا کہ گھر پر رکوں تاکہ تم کالج سے آ کر پریشان نہ ہو جاؤ۔"

سولی کی ہمت تھوڑی بڑی تھی وہ گھر میں سب سے چھوٹی تھی اس لیے کمزور دل تھی ذرا ذرا سی باتوں پہ پریشان ہو جاتی تھی جب کتنی دیر سے وہ جانے کیا کیا سوچ رہی تھی اب اس نے اپنے ساتھ سمن کو بھی

شریک کرلیا تھا' جو اس سے بھی گئی گزری اور بدعقل تھی۔" انہیں اس نا زیبا پریشانی پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے کچھ دیر ہی ہوئی ہوگی کہ باہر گاڑی کا ہارن بجا وہ بھاگ کر گیٹ پر پہنچیں سنی کا خیال تھا کہ ہاسپٹل سے کوئی آیا ہوگا" اس کا خیال غلط نہیں تھا" تایا جان اور اشعر گاڑی سے اسٹریچر اتار رہے تھے ان کے پیچھے دوسری گاڑیاں تھیں' دانیال و زید صاحب اور حارث کے کندھے جھکے ہوئے تھے' خواتین کی ضبط کے باوجود چیخیں نکل رہی تھیں۔

زہرا بیگم کو اچانک ہی سینے میں درد محسوس ہوا بیٹھے بیٹھے وہ لڑھک گئیں "اتفاق سے رضیہ نے دیکھ لیا" وہ بھاگ کر ثمینہ اور دانیال صاحب کو بلا لائی اشعر گھر پر ہی تھا فوراً" انہیں ہاسپٹل لے گیا' باقی سب بھی پہنچے گئے ڈاکٹرز نے چیک اپ کے بعد بتایا کہ ان کی موت حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے' طبی امداد ملنے سے پہلے ہی وہ مرچکی تھیں' شدت غم سے وہ سب نڈھال تھے' سمن تو سکتے کی کیفیت میں تھی امن کی چیخیں' چاچیں زار زار رلا رہی تھیں' وقت سب سے بڑا مرہم ہے انہیں گزرے ہوئے تین ماہ سے اوپر ہو چلے تھے' سب کو رفتہ رفتہ قرار آگیا۔

* * *

امبر اور ثمرہ آئی ہوئی تھیں تینوں بہنیں خاطر داریوں میں مصروف تھیں' آخر ان کی ایک ہی نند تھی' سمن نے محسوس کیا کہ ثمرہ کی نظروں میں اس کے لیے ناپسندیدگی بہت بڑھ گئی ہے' امبر کے انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اسے کچا چبا جائے گی' وہ اشعر پر اپنا حق سمجھتی تھی' دونوں میں انڈر اسٹینڈنگ بھی بہت تھی' سب کا خیال تھا کہ اشعر کے حوالے سے امبر ہی اس گھر میں آئے گی' زرا سے نعیا اور سنی بھی اسے اشعر کے حوالے سے چھیڑتی تھیں' پر اس کے انداز سے کبھی نہیں لگا کہ وہ امبر کو اس نظر سے دیکھتا ہے' وہ اشعر جو ہزاروں لڑکیوں کا آئیڈیل تھا' امبر بھی من ہی من میں اس کی ہو گئی جانے چپکے چپکے پوجا کر رہی تھی' اس کے تمام خواب اس وقت چکنا چور ہو گئے جب بڑے ابا نے ایک بالکل ہی انجان اور گمنام لڑکی سے اشعر کا رشتہ طے کردیا' پہلے تو وہ کھلم کھلا نفرت کا اظہار نہیں کرتی تھی مگر اب وہ آزاد تھی اس کی اندر تک جلا دینے والی نگاہوں سے سمن بچنے کی کوشش میں رہا کرتی تھی۔

آج بھی سب لاؤنج میں ہنگامہ بپا کیے ہوئے تھے امبر بھی وہیں تھی اس لیے سمن نے سلام کرنے کے بعد ادھر کا رخ نہیں کیا' وہ چپ چاپ بیٹھی لان والی سیڑھیوں پر آگئی' شہتوت کی پورے چاند کی روشنی میں نہایا ہوا لان بہت دلکش لگ رہا تھا۔

فروری کی سرد رات تھی' اس نے بانہوں اور گھٹنوں کے گرد لپیٹ لیں' کسی کی آواز آ رہی تھی کہ ساحل تک آرہی تھی' بہت ہی خوبصورت غزل کی آواز آ رہی تھی۔

تنہائی دے بے بسی و کم مائیگی مل کر اس پر حملہ آور ہوئے اور بے غرض موتی بکھیرنے لگی۔

"میں تمہیں ساری جگہ ڈھونڈ آیا ہوں' تمہارے بنا بڑی بور لگ رہی ہے۔" اشعر اسے ڈھونڈتا ہوا چلا آیا' اور اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا' سمن نے دوپٹے سے آنکھیں رگڑ لیں۔

"اتنی سردی میں بیٹھی ہو' ٹھنڈ لگ جائے گی۔" وہ مصنوعی غصے سے گھور رہا تھا۔

"مجھے سردی ہی نہیں لگتی۔" وہ بے حس انداز میں بولی' تو اشعر اس کی آواز میں نمی محسوس کرکے چونک گیا۔

"سمن کیا ہوا ہے؟" اس نے اس کا سر چھوا۔

"کچھ نہیں۔" سمن نے بے دردی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"کچھ تو ضرور ہے' پلیز مجھ سے کہہ دو نا' میں تمہارا اپنا ہوں' تم ہر دکھ اور ہر آنسو مجھ سے شیئر کرسکتی ہو' دوپٹے بھگونے کا کیا فائدہ' میرا گریبان حاضر ہے۔" آخر میں اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

"کچھ نہیں بس ایسے ہی ماں یاد آ گئیں تو آنکھیں بھر آئیں۔" سمن کے کہنے پر اشعر بھی اداس ہو گیا۔

"اس گھر میں کوئی پرابلم ہو تو مجھ سے کہو' دادی نے عہد لیا تھا کہ سمن کو خوش رکھنا اور اس کا

"میں آخر دم تک نبھاؤں گا۔" اس کے لہجے میں سچائی تھی۔

"تھینکس سو مچ' آپ ہمارے لیے ایسے جذبات رکھتے ہیں۔"

"تکلف کرتی ہو جیسے میں غیر ہوں شوہر نہیں۔" اس کی خفگی بجا تھی۔

"اچھا پلیز معاف کر دیں۔" سمن نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"یہ ہوئی نا بات۔" اشعر نے جوش میں اس کی کمر پر دھپ ماری' تکلیف کی شدت سے وہ کراہ کر رہ گئی' اس کا ہاتھ تو اچھے بھلے بندے کو لٹانے کے لیے کافی تھا' وہ تو پھر لڑکی تھی' اشعر کو دھول دھپا کرنے کی عادت تھی' باتوں باتوں میں دھول دھپے شروع ہو جاتے۔

"آپ مجھے سوری کرنا چاہیے' اتنی نازک سی تو ہو' دل کے سب سے محفوظ کونے میں رکھنا چاہیے تمہیں۔" وہ اس کے کندھے پر جھک سا گیا' اس کے بالوں سے جو اس پر چھائی ہوئی خوشبو آ رہی تھی' اشعر کے وجود کے سامنے سمٹ کے وہ چپ کر رہ گئی تھی۔

"سمن کیوں اتنا دور بھاگتی ہو اور کتنا میرے صبر کا امتحان لوگی' آخر کیا چاہتی ہو مجھ سے۔" اشعر کا موڈ یکایک تبدیل ہو گیا اور اس نے سمن کے دونوں ہاتھ اپنے آہنی بازوؤں میں مضبوطی سے جکڑ کر اسے خود سے قریب کر لیا۔

"کیا میری خطا ناقابل معافی ہے۔" اشعر کی سانسیں اس کے چہرے سے ٹکرائیں۔

"پھر بات ہو گی۔" سمن ایک دم پیچھے ہو گئی تھی' اشعر نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے تھے' وہ اپنی تیز دھڑکنوں کو معمول پر لانے لگی۔

"سمن تم جلدی فیصلہ کرو' بلکہ فیصلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے' تم تو مجھ سے بدلہ لے رہی ہو' شکر ہے کسی سے اس طرح بدلہ لینے کے لیے یہ عرصہ بہت ہوتا ہے' اب بس کرو اور سیدھی طرح مان جاؤ۔" وہ بولتا ہوا کمرے تک گیا تھا' سمن اسے چھوڑ کر اندر آ گئی اور اپنی جگہ پر لیٹ گئی' ذہن سوچوں کے بھنور میں چکرانے لگا۔

"کیا مجھے اشعر کو سب کچھ معاف کر کے تعلق کی ابتدا کر دینی چاہیے؟" وہ رہ رہ کر یہ سوال ذہن میں چکرا رہا تھا۔

"یقیناً" اشعر کو مجھ سے محبت ہے' ورنہ وہ اتنے عرصے ہرگز آرام سے نہ بیٹھتا' نہ مجھے اپنی مرضی چلانے دیتا۔" اس کے کردار کی شرافت کی وہ قائل ہو چکی تھی' اس کمرے کی تنہائی میں اس نے کبھی اپنا حق نہیں مانگا تھا' نہ چھینا تھا' نہ کبھی کمزور لمحوں کی گرفت میں آیا تھا' اپنا آپ اس نے کبھی وحشی جذبوں کے حوالے نہیں کیا تھا' وہ چاہتا تو زبردستی بھی کر سکتا تھا اور اسے اپنا حق کہہ کر چپ بھی کرا سکتا تھا' پر اس نے ایسا نہیں کیا تھا البتہ تنگ ضرور کرتا تھا' تاکہ تنگ ہو کر وہ ہار مان لے' پر حد سے وہ کبھی نہیں گزرا تھا' نہ بے اختیار ہوا تھا' اسے ایسے مرد ہی تو پسند تھے۔

ایک فیصلہ کر کے اس نے آنکھیں موند لیں۔

٭...٭...٭

"بی بی جی آپ کا خط ہے۔" شریف کی آواز پر وہ بے اختیار چونکی اور اس نے خط لے لیا۔

"کمال ہے' یہاں ہمارا کون خط لکھنے والا ہے۔" اس نے لفافہ کھولتے ہوئے سوچا' پھر جیسے زمین و آسمان دھڑام سے اس کے سر پر آ رہے تھے' دھندلائی آنکھوں سے اس نے خط کے مضمون کو پڑھنے کی کوشش کی۔

میری سمن!

آخر کار تمہارا سراغ لگا لیا ہے' تم دنیا کے جس کونے میں بھی جاؤ' وہاں ضرور پاؤ گی' اشعر اچھا ہے مگر میری جان! کبھی ہم بھی تم سے تھے آشنا' میرے خط لکھنے کا مقصد تو تم جان چکی ہو' ایک دفعہ جو ہمارا ہو چکا ہو' کسی دوسرے کے پاس پھر اس کی موجودگی ہم برداشت نہیں کر پاتے' فوراً میرے ساتھ چلو ورنہ جمال وفا کے مکین دھکے دے کر خود نکالیں گے' ہاں ایک بات یاد رکھنا' اپنی سچائی ثابت کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے تمہارے پاس' اشعر بے شک تم سے محبت

کرنا ہو گا کیونکہ تم ہو ہی ایسی، میں بھی تو تمہیں دیکھ کر محبت کرنے لگا تھا، مگر میرے پردہ اٹھانے کی دیر ہے اس کے بعد اس کے نزدیک تمہارے علاوہ دوسری نظر میں قابل نفرت شے کوئی نہیں ہو گی۔ میں تو یہ سوچ سوچ کر انگاروں پر لوٹتا ہوں کہ اتنی راتیں تم نے اس سے پیار بھری سرگوشیاں کی ہیں، یاد رکھو بہت جلد تمہیں اس سے ہر تعلق ختم کرنا ہو گا اور ہاں بہت جلد پھر تمہیں ملاقات ہو گی۔

بہت سی چاہتوں کے ساتھ۔

تمہارا شہوار (جو بھی تھا)

خوف پوری طرح اس پر حاوی ہو چکا تھا، دل دھک دھک کر رہا تھا، کانپتے ہاتھوں سے خط اس نے دراز میں پڑی اپنی کتاب کے اندر رکھا، جیسے ہوش کی طرح آنکھیں بند کر کے تو وہ جائے نماز پر کھڑی ہو گئی، اتنی دیر ہمت و استقامت کی دعا مانگتی رہی، اب دل میں قدرے سکون تھا کہ شہوار اسے خوفزدہ کر رہا ہے۔

کالج جاتے ہوئے اس نے نوٹ کیا کہ نیلے رنگ کی گاڑی مسلسل اس کی وین کے پیچھے ہے، اس نے خاص توجہ نہ دی کیونکہ گاڑی کے شیشے کالے تھے، اندر بیٹھا فرد نظر ہی نہ آتا تھا۔ چھٹی پر وین نے اسے گیٹ پر اتارا، سمن نے بیل پر انگلی رکھی ہی تھی کہ اس کے قریب کسی گاڑی کے ٹائر چرچرائے، وہ بے اختیار گھومی، صبح والی گاڑی تھی، اگلا دروازہ کھلا، اندر سے شہوار برآمد ہوا، اسے ہاتھ کے اشارے سے سلام کر کے یہ جا وہ جا، منٹ کی گن میں اس پر قیامت گزر گئی۔

وہ نڈھال سی اپنے کمرے میں پڑی ہوئی تھی، شہوار ایک عذاب تھا، کسی بھی وقت وہ اس کی ٹھہری ہوئی زندگی میں تلاطم برپا کر سکتا تھا، شام کے سات بھی بج گئے، وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی، دماغ ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا، اشعر کو وہ اپنی زندگی کے اس عذاب سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی، وہ انتظار کر رہی تھی کہ اشعر کمرے میں آئے تو وہ اس سے بات کرے مگر اب ایک پل کاٹنا بھی محال تھا۔

وہ ہانپ گئی جیسے الگ قلب میں چلی گئی، بیٹھنے میں

دلاوت وہ لڑکیوں کو مارشل آرٹ بھی سکھا رہا تھا، باڈی بلڈنگ اور مارشل آرٹ کے شوقین بہت سارے لڑکے تھے۔ سمن نے بے تابی سے دروازہ کھولا، تیز موسیقی کانوں سے ٹکرائی، وہ چھت میں نصب شیشوں پر ایکسرسائز کر رہا تھا، کھلی سلیولیس بنیان اور ٹراؤزر میں ملبوس اس کا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا، سمن نے ڈیک آف کیا تو وہ اچانک پلٹا، سمن کو دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی کیونکہ پہلے وہ کبھی خود سے اس کے پاس نہیں آئی تھی۔

اشعر نے ایکسرسائز کا عمل موقوف کیا اور تولیے سے جسم خشک کرنے لگا۔

"آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" سمن نے اضطرابی انداز میں اس کا ہاتھ پکڑا، اشعر نے ایک نظر اپنے بازو پر رکھے سمن کے ہاتھ پر ڈالی، اس کی آنکھوں میں چمک در آئی۔

"ایک نہیں ہزار باتیں کرو سویٹ ہارٹ۔" اس کی آنکھوں سے شرارت جھانک رہی تھی۔

"دیکھیں پلیز آپ ہمیں تنگ نہ کریں۔" سمن کے لہجے میں بے بسی تھی، اشعر کو اس عالم میں وہ اتنی دلکش لگی کہ اس نے بے اختیار سمن کو اپنے گرم فولادی بازوؤں میں جکڑ لیا، دل حسن کے حضور گستاخیوں پر آمادہ تھا۔

"دیکھیں پلیز ہمیں آپ سے بات کرنی ہے۔" اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش میں وہ بے حال تھی، جیسے وہ تو رونے لگی، اشعر نے بازو ہٹا لیے۔ اس کے بعد وہ کچھ نہیں، دروازہ کھول کر جا چکی ہوئی باہر نکلی جیسے میں آئی، اشعر کو اس کی بے بسی کی کیفیت کا سوچ کر مخمور سا ہونے لگا، اس کی بات وہ بھول گیا، اس کے ڈرے سے حسن میں کھویا، کپڑے بدل کر وہ نکلنے ہی والا تھا کہ عامر اندر داخل ہوا۔

"یار اشعر تجھ سے کوئی ملنے آیا ہے۔"

"کون؟" اس نے عامر کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں میں نے تو اسے پہلی بار دیکھا ہے۔"

نے کندھے اچکائے' ہاتھوں سے بالوں کو سنوارتا وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا سامنے بیٹھی شخصیت اس کے لیے بالکل اجنبی تھی۔

"معاف کیجیے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" وہ حیران ہوا۔

"یمن تو مجھے ضرور جانتی ہے' آخر میں اس کا شوہر ہوں مجھے شہیار کہتے ہیں۔" اشعر بھڑک گیا۔

"تم ہوش میں تو ہو؟" اس کی آواز کسی قدر اونچی ہو گئی تھی' تب ہی تو سٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے سب لوگ ادھر چلے آئے۔

"کیا بات ہے' تم کیوں اتنی اونچی آواز میں بول رہے ہو اور یہ کون ہیں؟" کیا نے سوال کیا۔

"انکل میں شہیار ہوں' میں اپنی بیوی یمن کو لینے آیا ہوں' یہ دیکھیں نکاح نامہ اور تصویریں۔" اس نے جیسے دھماکا کیا' سب ایک کے بعد ایک تصویر دیکھ رہے تھے' ہلکی مسکراتی دلہن بنی یمن اور اس کے ساتھ بیٹھا شہیار' یہ نکاح نامہ بھی تو جھوٹ نہ تھا' عامر یمن کو لے کر آیا' اندر کے حالات دیکھتے ہی اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔

"بے حیا۔" بڑی ممانی نے دائیں بائیں اس کے چہرے پر پوری قوت سے تھپڑ مارے۔

"انکل یہاں سے کیا میرا پیچھا ہی رہ گیا تھا اس گناہ کے لیے' باہر نکلوا لے چلیں یہاں سے۔" ممانی بیگم غصے سے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

"پلیز یمن چلو یہاں سے' میں معافی مانگتا ہوں ان سے' مگر تمہیں مجھ سے انتقام لینے کے لیے انتہائی حد تک نہیں گرنا چاہیے تھا۔" شہیار بولا تو وہ پھٹ پڑی۔

"نہیں... نہیں یہ جھوٹ ہے فراڈ ہے۔" وہ اشعر کا بازو کا سہارا لیتے ہوئے بولی۔

"اشعر صاحب میں چاہتا تو آپ پر عدو آرا فنس کا کیس بھی کر سکتا تھا' مگر رک گیا کہ آپ تو بے خبر تھے' اصل میں ہماری محبت کی شادی ہے' ایک بات پر ناراض ہو گئی یہ' کہنے لگی فوراً طلاق دو ورنہ یہ ملک چھوڑ کر چلی گئی' آپ کی والدہ محترمہ بھی اس کے دھوکے میں آ گئیں' اور یہاں آکر اس نے انتہائی پستی کا ثبوت دیا۔" شہیار اس کی طرف مڑا۔

"لے جاؤ اسے۔" زبیر صاحب نے اشارہ کیا۔

"چلو یمن تم اور پلیز آپ لوگ مجھے معاف کر دیں میں اس کی طرف سے معافی مانگتا ہوں۔" ساتھ ہی اشعر کا بازو پکڑے کھڑی یمن کو اس نے کھینچا۔

"نہیں نہیں یہ جھوٹ ہے' پلیز اشعر ہمیں بچا لیں اس شخص سے اب ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے' ہم یہی بات آپ سے کہنے والے تھے۔" وہ تھی جو اس کا بازو پکڑے کھڑی تھی' شہیار نے پوری طاقت سے اسے کھینچا وہ اشعر سے لپٹ گئی۔

"پلیز ہمیں بچا لیں' ممانی امی' تایا ابو ہمیں بچا لیں۔" شہیار نے بڑی بے دردی سے اس کا بازو پکڑ کر جھٹکے سے اسے اشعر سے الگ کیا اور گھسیٹتا ہوا باہر کھڑی گاڑی کی طرف لے جانے لگا' وہ مسلسل رو رہی تھی' چلا رہی تھی' اپنا بازو چھڑا رہی تھی' اشعر کو پکار رہی تھی' تایا ابو سے مدد مانگ رہی تھی' وہ تو جیسے ہر احساس سے عاری ہو کر پتھر کا بت بن چکا تھا' آخر تھوڑی دیر میں کیا قیامت بیت گئی تھی۔

چپ چاپ وہ کمرے میں بند ہو گیا اور تین روز تک یوں ہی سا پڑا رہا' تیسرے دن وہ گھر سے نکلا اور آوارہ گردی کر کے رات دو بجے گھر لوٹا' زبیر نے آکر اس کو طیش میں کیا' زبیر صاحب اور ممانی بیگم سمیت سب اس کی حالت سے پریشان تھے' اسے زندگی کی طرف واپس لانے میں وہ بھرپور کوشش کر رہے تھے' اس روز امبر آئی ہوئی تھی' سب کے مجبور کرنے پر وہ ان کے درمیان بیٹھ گیا' امبر نے اچانک گفتگو کا رخ یمن کی طرف موڑا۔

"ویسے تھی بڑی خوش قسمت' اصلی اور نقلی شوہر دونوں ہی اپنی جگہ زبردست ہیں' اصلی شوہر چاکلیٹ ہیرو اور اشعر تو سب جانتے ہیں' ٹرم شوہر تھا اور نقلی شوہر ایکشن ہیرو۔"

اس کا لہجہ بڑا طنزیہ تھا' اشعر کا چہرا خون رنگ ہو گیا' وہ اٹھ کر امبر پر جھپٹا' فیصل' عامر اور غازی نے بمشکل اسے روکا' امبر کہاں باز آنے والی تھی۔

"اچھا یہ تو بتاؤ اتنے دن اور راتیں اس نے

تمہارے ساتھ جو بیوی کی حیثیت سے گزاری ہیں' نہ کیا ہیں؟ تم انہیں کیا نام دو گے؟ تم تو بے خبر تھے' مگر وہ تو نہیں تھی' انتہائی گری ہوئی گھٹیا لڑکی تھی۔" اسمبر کے لفظ تھے کہ انگارے' وہ کھولتا ہوا اٹھ آیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

اشعر کے اٹلی جانے کی خبر نے سب کو حیران کر دیا' کسی کے آنسو اور التجائیں اسے روک نہ سکیں۔ اسمبر جس کا خیال تھا کہ اب وہ اشعر کو رام کرنے کی اپنی ناکامی پر ملول تھا کہ وہ گئی بہت ساحر ہیں اور گھر کے ماحول سے اشعر نے پاکستان کو الوداع کہا اور انجانی راہوں کا مسافر بن گیا۔

اٹلی کے دلکش مناظر اس کی اداسی نہ مٹا سکے' اور نہ ہی سجا سنوارا رومان پرور ماحول اسے متاثر کر سکا' اس نے ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے لیا تھا' جلد ہی ایک کنسٹرکشن کمپنی میں اسے ملازمت مل گئی تھی۔ اٹلی گئے اسے دو سرا ماہ تھا' جب پہلی بار اس کے دروازے پر دستک ہوئی' وہ باہر آیا' سامنے ایک دلکش اور اجنبی حسینہ تھی۔

"مجھے شارین کہتے ہیں۔" وہ انگریزی میں بولی' یہ ان کی پہلی ملاقات تھی' پھر روز وہ دوستی بڑھتی چلی گئی' شارین کو اشعر کی اداس آنکھوں اور مردانہ وجاہت نے بہت متاثر کیا تھا' وہ بنیادی طور پر طالبہ کی رہنے والی تھی' یہاں تعلیم کی وجہ سے رہائش پذیر تھی اور ملازمت بھی کرتی تھی' اشعر سے ملاقات کے بعد اس نے اپنے تمام پرانے بوائے فرینڈز کی چھٹی کر دی تھی۔

آج رات شارین نے اسے گھر پر اپنی سالگرہ میں مدعو کیا تھا' مقررہ وقت پر وہ اس کے ہاں موجود تھا' شارین کچن میں کھڑی وہیں سے بول رہی تھی۔

"آج بہت اچھے لگ رہے ہو' تمہاری بڑی ایک سوم بیوی والی ہے' ہاں وہ تو کی قلموں میں کام کیوں نہیں کرتے؟؟"

"مجھے شوق نہیں ہے۔" وہ ایک میگزین کی ورق گردانی کرنے لگا۔

"مجھے تو ایک بار ایک صحافی نے کھلی کلشن سے

پوچھا "آپ کو ہم کروز کی کون سی چیز نے متاثر کیا" تو وہ بولی کہ مجھے ٹام کے مضبوط بازوؤں کے مسلز نے متاثر کیا ہے' اشعر مجھے اس طرح چانس ملے اور مجھ سے کوئی پوچھے کہ آپ کو اشعر کی کس بات نے متاثر کیا ہے تو میں کہوں کہ مجھے اس کی اداس آنکھوں نے فولادی بازوؤں نے مردانہ وجاہت سمیت اس کے کردار نے متاثر کیا ہے۔"

وہ کچن سے باہر آ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔ "اشعر آئی لو یو۔" جذبات کی وارفتگی سے مغلوب ہو کر وہ اس کی طرف بڑھی' اشعر کو صرف ایک سیکنڈ کے لیے شارین کی کالی آنکھوں اور دراز زلفوں میں اس دشمن جاں کی جھلک نظر آئی مگر اس سے پہلے کہ منہ زور جذبوں کا طوفان اسے بہا لیتا وہ ہوش میں آیا' جھٹکے سے کمرے سے نکل گیا' شارین احساس توہین سے سلگتی رہی۔

وہ چپ چاپ کمرے میں پڑا ہوا تھا' زخم نئے سرے سے تکلیف دینے لگے تھے' بے اختیار وہ اٹھا اور اپنے بیگ سے البم نکال کر سامنے کھول کر رکھ لیا' پہلے صفحے پر ہی سمن کی تصویر جگمگا رہی تھی' سنہرے بالوں کے زرد لباس میں پھول کے مانند تھی۔ اسے بمبل رہی تھی' تمہیں یہ سبز سوٹ میں شہزادی بنی دلہن لوٹ رہی تھی' کہیں عروسی لباس میں نظریں جھکائے اسے اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"نہیں۔ نہیں تم کسی اور کی ہو۔" اس نے البم پرے پھینک دیا۔

اسے سمن کا روپ یاد آ رہا تھا' کیوں وہ دور دور اور گریزاں رہتی تھی' کس لیے اس سے کتی تھی' یہ حقیقت تو اب آشکار ہوئی تھی' وہ شہوار کی محبت کی تیلی تھی تبھی تو خود کو محفوظ رکھنا اپنے شہوار کے لیے کہ وہ اس کے سامنے سرخرو ہو سکے' اپنے آپ کو' اپنی انا کو اپنی نسوانیت کو۔

یہ احساس اشعر کے لیے سخت تکلیف دہ تھا کہ پہلا شوہر کی موجودگی میں اس مکار لڑکی نے اس سے شادی رچائی اور معصوم و مظلوم بنی رہی' مجھے تو دکھی جان ہی' اس کی حقیقت معلوم نہ تھی ورنہ وہ مر کر اپنے انا تک

قابل نہ ہوتے سے اس کا نکاح نہ کرتیں۔" اشعر کے سر سے بچا آسمان نہ تھا مگر وہ پہلے ہی شہوار کی دیوانی تھی' اشعر کا جادو اس پر سے کبھی کم ہو سکے۔
بیٹھے وہ اس کی نظروں میں گھومنے لگے۔

♥ ♥ ♥

"یار عامر دادو کب آئیں گی؟" اشعر بے زار سا لان میں گھاس پر لیٹا ہوا تھا' دادو انہیں بہت مس کر رہا تھا' اب تو انہیں گئے ہوئے ایک ماہ سے بھی اوپر ہو چلا تھا۔

"اشعر! ان کی خالہ زاد کی نواسی کی والدہ محترمہ وفات پا چکی ہیں' گو دادو اسے سنبھال رہی ہوں گی اس لیے تو نہیں آ رہیں۔"

عامر نے خیال ظاہر کیا۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ ان محترمہ نے دادو کو کسی خاص مقصد کے لیے بلوایا ہے۔" فیصل کی بات ادھوری تھی کہ

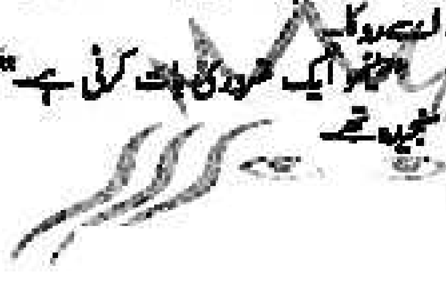
اسی رات زہرا بیگم کا فون آ گیا' کافی دیر دانیال' زید اور حارث تینوں بیٹوں سے بات ہوتی رہی' اس سے اگلے روز بھی یہی ہوا' گھر کی خواتین سے وہ نہ جانے کیا کیا باتیں کرتی رہیں' نوجوان نسل بڑی بے تاب تھی' پر ایک بات بھی ان کے پلے نہیں پڑی۔

تیسرا روز تھا' سب رات کا کھانا کھا رہے تھے' جب فون کی گھنٹی بجی' دانیال صاحب نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا' دوسری طرف زہرا بیگم تھیں' وہ سب بھی ان کی طرف متوجہ تھے' چند باتیں کرنے کے بعد دانیال صاحب نے زید صاحب کو فون تھمایا۔

"ٹھیک ہے اماں جان میں ابھی بات کر رہا ہوں' جانے کا کہیں نہیں' ہم سب قائل کرنے کی کوشش کریں گے' اسے ماننا ہی ہو گا' آپ فکر مت کریں' انشاءاللہ انتظام ہو جائے گا' آپ بھی بات کر لیجیے گا۔"

زید ریسیور رکھ کر پلٹے' اشعر کا ذہن جاگ چکا تھا' یقیناً کوئی اہم بات تھی' وہ اٹھنے لگا تھا جب تایا ابا نے اسے روکا۔

"تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" وہ بہت سنجیدہ تھے۔



"یہ تو تمہیں پتا ہی ہو گا کہ تمہاری دادی کی انڈیا میں ایک واحد رشتہ دار ہیں' انہوں نے ہی اماں جان کو فون کر کے بلوایا تھا' ان کی حالت بہت نازک تھی' شوہر ان کا پہلے ہی وفات پا چکا ہے' فقط ایک بیٹی ہے' اب مسئلہ یہ ہے کہ کل گلزار بیگم نے مرنے سے پہلے کہا کہ میری بیٹی کی وہی وارث ہیں' اماں جان اس لڑکی سے تمہارے نکاح کا فیصلہ کر چکی ہیں اور اس جمعہ کو ٹیلی فون پر تمہارا نکاح کر رہے ہیں' شادی کی باقی رسمیں پاکستان آ کر ہوں گی' اب ساری بات تمہارے اوپر ہے' اماں جان کل پھر فون کریں گی' انہیں ہاں میں جواب چاہیے۔"

تایا نے کہا' اس پر بم پھٹا تھا' لڑکے تو پہلے سب سکتے میں تھے' اشعر کا حال مختلف نہ تھا' اس پر تایا ابا سب کا پر سکون انداز ظاہر کر رہا تھا کہ وہ باخبر ہیں' وہ ڈائننگ ہال سے نکل گیا' اپنے کمرے میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر کاٹتے ہوئے اس کے اندر آگ جل رہی تھی۔

"کیسے میری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے' اللہ میاں کی گئے ہوں کہ اس جمعہ کو نکاح ہے' انکار مت کرنا۔" وہ دل ہی دل میں بولتا تایا کی نقل اتار رہا تھا۔

صبح وہ گیارہ بجے تک بستر میں گھسا رہا' دروازے پر کافی دیر سے دستک ہو رہی تھی' اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا عامر اور فیصل اندر گھس آئے۔

پیا نے کہا ممی سے بیٹا ہو گیا ہمارا اب جواں
کر دو بات اس کی پکی ہو گئی ہے عمر کی تو بچی
کہیں بھٹک نہ جائے خدا اسے بچائے

وہ محفل سجا کر گانے لگے سر تھامے بیٹھے صبر سے اشعر انہیں سن رہا تھا۔

"دادی جان کا ابھی ابھی فون آیا ہے' ہم نے بھی بات کی ہے' دادی کہہ رہی تھیں کہ وہ بہت جلد آ رہی ہیں' ایک عدد بہو لے کر۔" عامر کا چہرہ تو ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بنا ہوا تھا۔

"یہ بھی تو بتاؤ کہ وہ کہہ رہی تھیں کہ اشعر میرا خون ہے' مان ہے' وہ انکار کر ہی نہیں سکتا۔"

فیصل نے نقل اتاری' اشعر اٹھ کر اس کے

پاس چلا آیا تو وہ گویا اسی کی راہ تک رہے تھے۔

"یہ سب کیا ہے؟ میں کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کروں گا جسے میں نے دیکھا تک نہ ہو، جس کے ساتھ میری انڈراسٹینڈنگ نہ ہو۔ آئی فٹ میں اس لڑکی سے نکاح کروں گا جس کی میں نے شکل ہی نہیں دیکھی ہے۔ مجھے قربانی کا بکرا کیوں بنایا جا رہا ہے؟ عامر فیصل اور قاضی بھی تو ہیں۔"

سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ جوش میں آ گیا۔ عامر کی بات تو شروع سے ہی لبنیٰ سے طے تھی۔ فیصل اپنی خالہ زاد میں انوالو تھا اور رہ گیا قاضی تو وہ ابھی پڑھ رہا تھا۔ اشعر سے سات آٹھ سال چھوٹا تھا۔ زبیر صاحب کے سامنے پہلی بار اس کی توانائی سلب ہوئی تھی۔

"دیکھو اشعر انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اماں جان نے بہتر ہی سوچا ہو گا۔ وہ بتا رہی تھیں کہ شکل و صورت کی بہت اچھی ہے۔ سمن ابھی چند دن ہی ہوئے ہیں ایف اے کا امتحان دیے ہوئے۔" عظمیٰ بیگم نے شوہر کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھا تو اسے درمیان سے قائل کرنے لگیں۔

اسی کشمکش میں جمعہ بھی آ گیا۔ اشعر نے ہر احساس سے بے نیاز ہو کر نکاح نامے پر سائن کر دیے۔ سوائے اشعر کے سب اس فیصلے سے خوش تھے۔ اس میں ثمرا اور امبر شامل نہ تھیں۔ ثمرا کچھ بھی نہ کر سکتی تھی البتہ امبر اشعر کی طرفداری کر رہی تھی۔

اشعر کا آئیڈیل ایسی لڑکی تھی جو اس کے ساتھ چلے تو لوگ رشک سے دیکھیں۔ اتنی حسین ہو کر چاند بھی اس کے سامنے ماند پڑ جائے۔ وہ خود بھی کم نہیں تھا۔ طویل قامت، کسرتی جسم، بلاشبہ وہ مردانہ وجاہت کا نمونہ تھا۔ امبر تو بہت ناراض تھی۔ اسے ان دیکھی سمن سے نفرت سی ہو گئی تھی۔

***

اچانک اشعر کے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا۔ اس نے فون کے پاس رکھی نمبر نوٹ کرنے والی ڈائری اٹھائی۔ مطلوبہ نمبر میرے سٹے پر تھا۔ اس نے جلدی جلدی ملایا۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ اس کا سارا وجود سماعت بنا ہوا تھا۔ جونہی بیل بند ہوئی ریسیور اٹھا لیا گیا۔

"السلام علیکم۔" بڑا مختلف سا انداز تھا۔

"میں پاکستان سے اشعر بول رہا ہوں، آپ کون ہیں؟" اشعر نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ جانا، فوراً نام پوچھا۔

"میں سمن ہوں۔" تعارف کرانے کا انداز بڑا انوکھا تھا۔

"مجھے آپ سے ہی بات کرنی ہے، ویسے بھی آپ کو علم نہیں ہے کہ آپ کا نکاح جس لڑکے سے کر دیا گیا ہے اسے آپ جانتی تک نہیں ہیں، نہ دیکھا ہے؟"

"ہمیں اس سے غرض نہیں ہے، ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آپ نانو کے پوتے ہیں۔ دیکھا نہ دیکھا برابر ہے۔ صورتیں دھوکا بھی دے جاتی ہیں۔" سمن بے اختیار ہی کھو سی گئی تھی۔

"دیکھیے محترمہ سمن آرا! یہ محض میری دادی جان کی ضد ہے ورنہ مجھے آپ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرے ساتھ یہ ناتا جوڑ کر آپ خوار و دکھی ہوں۔" وہ اصل بات کی طرف گیا۔

"پھر ہم کیا کریں؟" وہ اس کی بات کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"دیکھیں ابھی کچھ نہیں بگڑا، صرف نکاح ہوا ہے۔ آپ انکار کر دیں کہ مجھے لڑکا پسند نہیں ہے۔" وہ اسے اور ہی راہ دکھا رہا تھا۔

"سب پسند و ناپسند کا کیا سوال۔"

"بہرحال میرے نزدیک یہ معاملہ اہم ہے۔ مجھے آپ ناپسند ہیں۔ آپ کو میں وہ محبت اور چاہت نہیں دے سکوں گا جس کی آپ توقع رکھتی ہیں۔" وہ دو ٹوک انداز میں بولا۔

"ہمیں بھی آپ کی زبردستی کی چاہت نما خیرات نہیں چاہیے، کسی اور کو دے دیں۔" سمن کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔

"گویا ہوں ہاں کا مطلب ہے کہ آپ تعاون کریں گی۔" اشعر نے نعرہ بلند کیا۔

"کیسا تعاون؟" وہ حیران ہوئی۔

"دیکھیے آپ مجھے پسند نہیں کرتیں، میں آپ،"

"زبردستی ہمیں ملوایا گیا ہے" مگر نہ ہم ایک سمجھوتہ کرلیں کیونکہ اس وقت ہم دونوں انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں ڈیڈی تو شادی کے کارڈ چھپنے بھی دے گئے ہیں میں آپ کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا بس آپ میرا ساتھ دیں شادی کے بعد فوراً" ہی میں نے علیحدگی کی ترکیب بھی سوچ لی ہے "آپ فکر مت کریں میرے یہاں بہت اچھے اچھے جاننے والے ہیں اچھی جگہ آپ کی شادی کراؤں گا۔" اشعر کی بات سن کر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

"ٹھیک ہے زبردستی کے ناتے ہمیں بھی پسند نہیں ہیں اگر ہمیں آپ کی ناپسندیدگی کی خبر ہوتی تو ہم انکار کر دیتے بہرحال ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ہماری شادی کی آپ فکر مت کریں۔" آخر میں اس کا لہجہ روکھا ہو گیا۔

"تھینکس سو مچ آپ واقعی بہت گریٹ ہیں۔" وہ واقعی بہت ممنون تھا۔

* * *

زہرا بیگم سمن سمیت آچکی تھیں، ان کی آمد کے ساتھ ہی شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ سمن اوپر کے پورشن میں دانیال صاحب کے یہاں ٹھہری تھی، اشعر نے ایک بار بھی اسے دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

زہرا بیگم نے آنے کے بعد جو کہانی سنائی تھی اس کا خلاصہ کچھ یوں تھا، دل آرا ان کی خالہ زاد، سمن ان کی بیٹی تھیں، زہرا بیگم کی یہ واحد رشتہ دار تھیں جو زندہ تھیں، ان کے علاوہ سب ہی اٹھ گئی تھیں، دل آرا کے شوہر پہلے ہی وفات پا چکے تھے، وہ خود دل کی مریضہ تھیں، ایک ہی اولاد سمن تھی، انہوں نے زہرا بیگم سے التجا کی کہ بن ماں باپ کی بچی اکیلی رہ جائے گی، آپ اسے ساتھ لے جائیں اور وہیں شادی کر دیں، وہ نہ جانے کب چلی جائیں، یہ مرض ان کی جان لے کر رہے گا۔ ان کے قیام کے دوران ہی وہ وفات پا گئیں، زہرا بیگم نے اپنی سہیلی کی قبر پر فاتحہ پڑھی، اپنا قول پورا کرنے اور سمن کے نکاح کو بھی نبھانے کا فیصلہ کر لیا۔

اشعر کی اس بات کو دیکھ کر ہی دونوں حضرات کو بھی سمن سے کوئی ہمدردی نہ تھی، جب یہ چپکے چپکے نظارے اشعر

بری طرح اسے خار کھانے لگا تھا، جب سے وہ آئی تھی وہ ایک بار بھی لان میں نہیں گیا تھا، وہ خود بھی نیچے نہیں اتری تھی، اشعر اس کے بارے میں عجیب و غریب باتیں کر رہی تھی۔

ہماری اصول جہانداری دھوکا کھا کے

زویا، دانیہ، سونی اور دوسری لڑکیوں نے ہنگامہ سا کیا ہوا تھا، آج سمن کی مہندی تھی، مہندی کی رسم روایتی انداز میں ادا کرنے کے بعد نوجوان لڑکے لڑکیاں ہلا گلا کرنے میں مگن ہو گئے، ماؤں کے زرد جوڑے میں ملبوس اداس اداس سمن تمام خواتین کی نگاہ کا مرکز بنی ہوئی تھی، وہ سب زہرا کی سلیقہ مندی کی داد دے رہی تھیں، شادی کو بھی بہت اچھی لگی تھی، تقریباً ۲۰ برس کی عمر تھی، بھولی کی قسمت پر بے اختیار اسے رشک آگیا تھا۔

اشعر اپنے کمرے میں منہ چھپائے پڑا ہوا تھا، باہر سے آتی آوازیں اسے مسلسل ڈسٹرب کیے ہوئے تھیں، اس نے تکیہ کانوں پر رکھ لیا، اچانک دروازہ دھڑ دھڑ بجنے لگا، اس نے غصے سے گھورتے ہوئے دروازہ کھولا، باہر سب چنڈال چوکڑی جمع تھی، اس سے پہلے کہ وہ ان سے کچھ کہتا وہ سب دھڑا دھڑ اندر گھس آئیں، عامر نے قل کا بچا ہوا ابٹن اس پر انڈیل دیا، دانیہ اور زویا نے مہندی سے گل و گلزار کر دیا، انہوں نے اسے بڑی مشکل سے قابو کیا ہوا تھا کہ وہ منع نہ کر سکے، اپنی حسرتیں نکالنے کے بعد وہ سب اسی طرح چلے گئے، اس نے کپڑے بدلے اور باتھ روم میں گھس گیا، اپنی مہندی پر وہ کراہیت سے ٹرٹکی سوکھ رہا تھا، یہ سب اس کا بدلہ لیا تھا انہوں نے۔

"محترمہ سمن آرا تم سے تو میں خوب نمٹوں گا، میرے سامنے سے بھی پھٹنا آؤ گی۔" اس کی سوچیں بہت انتقامی ہو رہی تھیں۔

"اف یہ سمن کتنی خوبصورت ہے۔" سونی نے آنکھیں بند کرکے اس کی تعریف کی۔

"جتنا خوبصورت چہرا ہے اتنا خوبصورت دل ہے۔" زویا نے جو اس کی کافی مزاج آشنا ہو چکی تھی بولی۔

"تو مجھے اس کی بہت فکر ہے۔" وہ بہت جذباتی ہو رہی ہے۔ واضح فکر مند تھی۔

"جب اشعر نے اس سے کوئی وعدہ نہیں کیا، نہ چاچی کی طرف سے ایسی کوئی بات ہوئی ہے تو اسے یہ حماقتیں کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم لوگوں نے ہی اسے اشعر کے نام سے چھیڑ چھیڑ کر خواب دکھائے۔" زویا نے سب کو لتاڑا، باسمہ کی بھی سٹی گم ہو گئی۔ وہ بارات کے کپڑے فائنل کر رہی تھیں، صرف کل ہی تو روز تھا۔

اشعر ساری دنیا سے ناراض کمرے میں بند تھا۔ کپڑے بدلنا ہو یا شیو، عامر نے دادی جان کی محبت کے واسطے دے دے کر حلیہ درست کرنے پر آمادہ کیا، اس کی طرف سے کوئی سرگرمی دیکھنے میں نہیں آ رہی تھی۔ اس نے کپڑے اور دیگر چیزیں بھی بڑی بے دلی سے خریدی ہیں۔

♥—♥—♥

اشعر نے دروازے پر ہلکا سا ہاتھ ڈالا اور ادھر اُدھر دیکھے بغیر واش روم میں گھس گیا۔ اس وقت غصہ تھا عروج پر تھا۔ دماغ خراب ہو رہا تھا، آ کر ایک اچٹتی اور بے زاری نظر اس پر ڈالی جو سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"یہ لیں سمن میری طرف سے آپ اسے عہد و اقرار یا اجازت نامہ بھی سمجھ سکتی ہیں۔" اشعر نے ایک کاغذ نکال کر بیڈ پر اس کے قریب پھینکا۔

"یہ کیا ہے؟" سر جھکائے وہ اسی پوزیشن میں بولی۔

"اس میں یہ لکھا ہے کہ یہ رشتہ صرف مجبوری کی وجہ سے جوڑا گیا ہے، میرا اور آپ کا میاں بیوی والا تعلق نہیں ہو گا، نہ آپ مجھ سے بحیثیت بیوی کوئی حق مانگیں گی اور نہ میں ایسا کر سکوں گا، آپ تسلی کے لیے دیکھ لیں، میں جو بھی ممکن نہیں ہو سکا، آپ جس طرح اس گھر میں کل تھیں ویسی ہی رہیں گی، پھر میرا اعتبار کریں، یہ کاغذ کا معمولی سا ٹکڑا نہیں ہے۔" وہ بیڈ سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا تھا۔

"ہمیں معلوم ہے آپ ہمیں پسند نہیں کرتے، صرف اپنی دادی جان کی وجہ سے پریشان ہیں اور مجبور ہیں۔ سمن کے بعد ہی ان الفاظ کو حقیقت کا روپ

ہوا اور بڑی مشکل سے بھاری عروسی سوٹ سنبھالتی بیڈ سے اتری، چوڑیاں، پائل اور زیور بج اٹھے تھے۔

"آپ بہت ذہین ہیں، میں بہت جلد اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کر لوں گا۔" اشعر نے اس کے جھکے سر کو گھورتے ہوئے پھر جلے انداز میں کہا۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا، جلد ہی اپنے ٹھکانے کا انتظام کرنے کی کوشش کریں گے، ہم تب تک آپ ہم پر احسان کریں، ہمارا ایف اے کا رزلٹ بھی ابھی آؤٹ نہیں ہوا، ہم پاکستان میں ہی ایڈمیشن کروائیں گے، آپ چند ماہ صبر کریں، کسی طرح بھی ہم ہوسٹل شفٹ ہونے کی کوشش کریں گے، اس کے بعد آپ جو مرضی کریں۔" وہ آگے بڑھی۔

"ٹھیک ہے مہربانی اور کریں، لیٹنے سونے کا انتظام صوفے پر یا کارپٹ پر کر لیں۔" اشعر خاصی بدتمیزی سے بولا۔

"ٹھیک ہے یہ بھی کر لیں گے۔" سمن کے انداز میں ایک بے فکری، گمن، بے نیازی اور شہزادیوں کا سا طنطنہ تھا۔ اشعر کو خاصی حیرت ہوئی، وہ ہاتھوں سے چوڑیاں اتارنے لگی۔

"یہ اپنے پاس ہی رکھ لیں۔" بیڈ پر پڑا کاغذ اشعر نے اٹھا کر اس کی طرف کیا۔

"کیا ہے یہ؟" چوڑیاں اتارتے ہوئے وہ گمن سی تھی، ذرا سر اٹھا کر اوپر دیکھا، ایک بجلی سی اشعر کی آنکھوں میں کوند گئی، وہ دیس کی کوئی شہزادی جیسے بھٹکتے بھٹکتے ادھر آ نکلی تھی، گہرے عروسی سوٹ میں ملبوس نوخیز چہرے کی رعنائیاں، چہرے کا بھولپن، سلامتیاں سمیٹے عقل و ایمان بھٹکنے کو دے رہی تھی۔ اشعر کو ایک لمحہ پاگل کر گئی، اس کا اس شعر جیسا حال تھا۔

کچھ نہ بس میں اگر ہو کیا کیجیے
بس لے دیکھتے رہا کیجیے

"لائیں دیں۔" اسی مصروف انداز میں اس نے اشعر سے وہ کاغذ لیا اور تہہ کر کے رکھ لیا، ایک ایک کر کے تمام زیورات اتارے، بالوں کا جوڑا کھولا، دراز میں



اس کی کمرے بکھر گئے۔ اشعر شوق کا جال گیا۔ دیکھے اسے دیکھ رہا تھا اور خود کو جی بھر کے گالیاں دے رہا تھا۔ سمن نے پیڑے سے تکیہ اٹھایا اور منہ موڑ کر لیٹ گئی۔ چند منٹ بعد وہ سو گئی۔ پر اشعر ساری رات نہ سو سکا۔ بار بار کروٹیں بدلتا رہا۔ نرم گداز بستر کانٹوں کی طرح چبھ رہا تھا۔ اسے دکھ تھا وہ سمن پر کتنا جھاڑ بیٹھا اور واپس پلٹ کر آنے سے انکار کر دیتی تو وہ خود بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور اس کے ہوش اڑا رہی تھی۔ خوشی اور غصے سے عہد بند کیا ہوا تھا۔

"حقیقت ہے کہ آپ نہ جانے کس جرم کی سزا ملی ہے۔ مجھے کیا خبر تھی یہی وہ ہے جسے میں نے اپنے خیالوں اور خوابوں میں دیکھا ہے۔"

دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ ابھی اسی سے معافی مانگ لے پر دماغ نے روک دیا۔ وہ کیا کہے گی کیسا کمزور مرد ہے اپنا عہد تک نبھا نہ سکا اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا۔ کیا ہوا اس کی مردانگی کا، وہ خود کو ملامت کر رہا تھا۔

***

سمن نے ماسٹر ڈگری اور دیگر تمام مراحل سے گزرنے کے بعد کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ تھرڈ ایئر کی کلاسز شروع ہو چکی تھیں۔ سفید یونیفارم پہنے وہ تیار کھڑی تھی۔ اشعر کمرے میں پہنچ گیا تھا۔ دھیرے دھیرے وہ بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔ اشعر خوامخواہ ہی چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگا۔

"بات سنیں، آپ شادی کب کریں گے؟ ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا ناں کہ جب تک ہمارا رزلٹ آؤٹ نہ ہو آپ صبر کریں۔ اب تو ہمارا داخلہ بھی ہو چکا ہے، آپ دلہن جلدی سے تلاش کر لیں۔"

سمن نے مصروف سی نظر گھڑی پر ڈالی اور اسے یاد دلایا۔

"رات کو بات ہوگی۔" اشعر کا اچھا خاصا موڈ آف ہو گیا تھا، وہ اسے حیران پریشان چھوڑ کر آ گیا۔

اشعر کمرے میں اندھیرا کیے پڑا تھا۔ ابھی ساڑھے نو بھی نہیں ہوئے تھے اور وہ لیٹ گیا تھا۔ دل و دماغ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ نیند تو آنکھوں سے کوسوں دور تھی، آنکھیں بند کیے ہوئے تھا اور اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹا

اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سمن اندر آ گئی تھی اور لائٹ بھی آن کر دی تھی۔

"آپ اتنی جلدی کیوں سو رہے ہیں، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ بے حد فکر مند ہو کر پوچھ رہی تھی۔ اشعر اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا اور بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہلکی پنک کاٹن کی قمیص سفید چوڑی دار پاجامے میں وہ خوب صورت لگ رہی تھی۔ گوری گوری کلائیوں میں سفید اور گلابی چوڑیاں کھنکھنا رہی تھیں، بالوں کی ڈھیلی سی لٹیں رخساروں پر بکھری ہوئی تھیں۔ بکھری لٹوں کی لاپروائی صاف نظر آ رہی تھی جو ایک عجیب سی لگ رہی تھی۔

"یاد کیا آپ نے کہا تھا رات کو بات ہوگی، پلیز کریں ناں آپ بات۔" وہ بے چین تھی۔

"بہت شوق ہے سننے کا؟" وہ اچانک غصے میں آ گیا تھا۔

"پتا نہیں آپ کیوں غصہ ہو رہے ہیں، ہم نے تو آپ کو وہ عہد یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔" وہ سہم سی گئی تھی۔

"ہم اس فضول سے عہد کو بھول نہیں سکتے جس میں بہت شرمندہ ہوں۔" بولتے ہوئے بات بیچ میں لٹک گئی۔

"ہمیں آپ کی شرمندگی سے غرض نہیں ہے، ویسے بھی ہمارا ایڈمیشن ہو چکا ہے اور ہمارے پاس اتنے پیسے جمع ہو چکے ہیں کہ ہم سال بھر کے لیے کسی گرلز ہوسٹل میں رہ سکتے ہیں، آگے دیکھا جائے گا۔ آپ بے شک اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کر لیں۔"

سمن نے سرا سر اس کی بات کاٹ دی، وہ جھلا گیا۔ "آج تک یوں کسی لڑکی نے نظر انداز نہیں کیا تھا۔"

"بہت زعم ہے خود پر۔" وہ مقابلہ کرنے والے انداز میں بولا۔

"کیا نہیں ہونا چاہیے۔" اس کی بے نیازی قابل دید تھی۔

"میں بھی کم نہیں ہوں۔"

"مگر نہیں کیا آپ کم ہوں یا زیادہ، ہمیں تو آپ سے محبت نہیں ہے۔" سمن نے شانے اچکائے۔

"اور اگر میں تمہیں خود سے محبت کرنے پر مجبور

کرہوں تو۔" اشعر نے اتر کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"ہم مجبور ہو کر کوئی کام نہیں کرتے۔" وہ لاپرواہی سے چوڑیوں کو چھیڑ رہی تھی۔

"اشعر مجھے جو پسند آجائے حاصل کر کے رہتا ہوں۔" اشعر نے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا۔

"کیا آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔" وہ بڑی حیرانی سے کہہ رہی تھی، اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"یمن کی قسم میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر۔" وہ تذبذب میں تھی۔

"ہم آپ سے محبت نہیں کرتے، آپ ہمیں سوچنے دیں، اتنا پاور مت کریں، فیصلہ آپ کے حق میں ہو گا جب آپ ہمیں مہلت دے دیں۔" یمن بولی۔

"مجھے مشکل تو ہو گی، خیر جہاں اتنا صبر کیا ہے اور سہی ویسے میری حدود کا تعین تو کریں۔" وہ شرارت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہمیں پتا نہیں۔" وہ بے بسی سے بولی، اشعر تصدیق بھی نہ کر سکا تھا اس کے لیے وہ شہزادی بن گئی تھی، دن بدن وہ اس کے لیے پرکشش بنتی جا رہی تھی، کبھی لگتا تھا اب وہ اختیار کھو دے گا اور یمن کی آنکھوں میں کھو کر جائے گا، اپنے ہی الفاظ اس کا منہ چڑانے لگے تھے، وہ حد سے زیادہ اس کا خیال رکھتا تھا، ہر وقت وہ جو اداسی میں گھری رہتی تھی اسے باہر نکالنے کی کوشش کرتا تھا۔

+++

دیکھتے ہی دیکھتے ساڑھے تین سال کا عرصہ بیت گیا، اس دوران کئی ملکوں کی خاک چھان چکا تھا، کئی لڑکیاں اس سفر میں ٹکرائیں مگر وہ کسی کا بھی اسیر نہ ہو سکا، صوفیہ، آزادانہ جینے کی علمبردار میری، معصوم اوزوی اور نہ جانے کتنی حسیناؤں نے سچائی سے اس کی اداس آنکھوں کا بھید جاننے کی کوشش کی تھی مگر اس نے سب کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

آج کل وہ نیویارک میں تھا جب اسے غازی کا خط ملا، اس نے کئی کی غیر حاضری کا دردناک انداز میں نقشہ کھینچا تھا۔ اشعر نے فوراً واپسی کی تیاری کی۔ ایک روشن اور اجلی صبح وہ پاکستان میں موجود تھا، غازی بیگم کتنی دیر اسے سینے سے لگائے رہیں، گردیز صاحب کے چہرے پر بھی خوشی تھی، اتنے عرصہ میں سب کی شادیاں ہو چکی تھیں، بھائیوں میں سونی اور غازی ہی بچے تھے، غازی اب یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ تھا، سونی کی منگنی علی سے طے پا چکی تھی، تین ماہ بعد اس کی شادی طے تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے تین ماہ پر لگا کر اڑ گئے، سونی اور علی کی شادی کے کارڈ چھپنے چلے گئے، زاہرہ بھی یو کے سے اپنے شوہر اور بچے کے ہمراہ آئی تھی، گھر بھر میں ہنگامہ مچا تھا، وہ شور سے بچنے کے لیے اپنے کمرے میں آ گیا، ذہن کو ادھر ادھر کرنے کے لیے اس نے بک شیلف سے دیکھے بغیر کتاب اٹھائی اور اسے کھولا، یمن آرائی، فرسٹ ایئر سیکشن بی، اس ورق پر جہاں اس کا نام نیلی روشنائی سے جگمگا رہا تھا، دل نہ چاہنے کے باوجود وہ ورق گردانی کرنے لگا، وہ جان نہیں پایا تھا کہ ایسا کیوں کر رہا ہے، اچانک ایک لفافہ اس کی گود میں آ گرا، تجسس سے مجبور ہو کر کھولا اور جوں جوں پڑھتا گیا اس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا، اچانک دروازے پر دستک ہوئی وہ سنبھل نہیں پایا تھا، کچھ سوچتے ہوئے دروازہ کھولا سامنے امی کھڑی تھیں، جو بہت مصروف نظر آ رہی تھیں۔

"چلو بیٹا میرے ساتھ ذرا ایڈووکیٹ علی رضا کی طرف جانا ہے، انہیں شادی کا دعوت نامہ بھی دینا ہے اور مجھے ان سے کام بھی ہے، چند دن پہلے ہی امریکہ سے آئے ہیں۔" وہ اسے آگاہ کر رہی تھیں۔

"چلیے ممی۔" دل نہ چاہنے کے باوجود وہ تیار تھا، ذہن خط کے مندرجات میں پھنسا ہوا تھا، اسی کشمکش میں وہ علی رضا کے گھر پہنچا، علی رضا ان کے خاندانی وکیل تھے، اس کے امریکہ جانے سے کچھ عرصہ پہلے وہ امریکہ اپنے بیٹے کے پاس چلے گئے تھے، وہ کل ہی پاکستان آئے تھے، وہاں سے بیٹے کے پاس سے آئے تھے۔

"اشعر بیٹے میرے پاس تمہاری ایک امانت ہے۔"

زہرا بہن نے وصیت کی تھی کہ میں اس وقت تمہیں خط دوں جب تم صاحب اولاد ہو چکے ہو' میرا خیال ہے کہ اب وقت آچکا ہے' ارے ہاں مجھے یہ پوچھنا تو یاد ہی نہیں رہا اشعر کتنے بچے ہیں تمہارے؟"

علی رضا کی باتوں نے اسے چکرا دیا تھا' یقیناً "کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضرور تھی' علی رضا نے بھورا ہوا خاکی لفافہ اس کی طرف بڑھایا' اس نے ماں کی طرف دیکھا اور لفافہ کھول لیا' سب سے پہلے اس کے ہاتھ جو چیز لگی وہ ایک خط تھا' یہ تحریر زہرا قدیر کی تھی اور ان کے مرنے سے پہلے کی تاریخ اس پر درج تھی۔

اشعر میرے بچے!

مجھے اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں ہے' نہ جانے کب بلاوا آ جائے' مجھے سمن کی بھی فکر ہے کہ اس کا کیا بنے گا' وہ بہت بھولی لڑکی ہے' میں اس سے بھی زیادہ بھولی ہوں کہ کسی کو اپنی زبان سے حقیقت بتانے کی جرأت نہیں کر سکی' اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ خط میرے مرنے کے بعد تمہیں اس وقت دیا جائے جب تم باپ بن چکے ہو' زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر تمہیں اس کا سامنا کرنا ہی تھا تو یوں ہی سہی۔

میں جانتی ہوں کہ میری غلطی ہے' مجھے سب کو صورت حال بتا کر اعتماد میں لینا چاہیے تھا' پر میں ایسا نہ کر سکی' سمن کا تم سے پہلے شہوار جنگ سے نکاح ہو چکا ہے' بہ مشکل یہ نکاح ایک سال برقرار رہ سکا' رخصتی سے پہلے ہی یہ رشتہ ٹوٹ گیا' شہوار نے اسے اسکول آتے جاتے دیکھا تھا' بڑے باپ کا بیٹا تھا' ریسٹورنٹ جمشید ہاؤس کا مالک اور حسن پرست' دل آرا نے چھان بین کیے بغیر رشتہ قبول کر لیا' اس کے گھر والے مل کر رسم کر گئے اور شہوار کی ضد پر نکاح کر دیا گیا' ابھی ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ اس نے رخصتی کی ضد کر دی' سمن کو اپنے ساتھ گھومنے پھرنے کے لیے مجبور کرنے لگا' دل آرا پرانے خیالوں کی عورت تھیں' یہ بے حیائی انہیں نہیں بھائی' پھر سمن بہت کم عمر تھی' میٹرک کا امتحان دیا ہوا تھا' پندرہ برس کی بھولی بھالی لڑکی کی وہ اتنی جلدی رخصتی کرنے کے حق میں نہ تھیں' پھر آس پاس کے لوگ شہوار کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرتے تھے' انہوں نے شہوار کو کہہ دیا کہ اٹھارہ سال کی ہونے سے قبل وہ سمن کو رخصت نہیں کریں گی' بس اسی ضد میں آکر شہوار نے سمن کو طلاق دے دی' اور بہت جلد ایک ماڈل گرل سے شادی بھی کر لی' تمہیں یاد ہے وہ دل آرا کے گھر آیا اور کہا کہ میں نے سمن کو طلاق نہیں دی ہے' حالانکہ وہ اسے طلاق دے چکا ہے' تحریراً' بے شک نہ دی ہو' زبان سے وہ تین بار طلاق دے چکا تھا' اب وہ انہیں روز دھمکیاں دیتا کہ سمن میری بیوی ہے' میں نے اسے طلاق نہیں دی ہے' اگر آپ کورٹ میں جانا چاہیں تو شوق سے جائیں' کوئی گواہ نہیں ہے' عدالت میرے حق میں ہی فیصلہ دے گی۔

آگے کا قصہ تم جانتے ہو' دل آرا نے مجھے اپنا بلوا لیا وہ خود بہت پریشان تھیں' شہوار نے کہا تھا کہ وہ زبردستی سمن کو اٹھوا لے گا' اگر دل آرا نا مانیں' میں نے سوچ لیا کہ میں سمن کو پاکستان لے جاؤں گی' یہ لڑکی مجھے بہت بھلی لگی' میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس کی شادی تمہارے ساتھ ہی کروں گی' گو تم نے میرے مان کا بھرم رکھا' تمہارے پاس شہر جب بچوں کی ذمہ داری پڑ جائے گی تو تم آرام سے سوچ سکو گے' تم لوگوں کے ساتھ میری جائیداد میں سمن بھی حصے دار ہے' اگر میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہو تو معاف کر دینا اور سمن کو کوئی دکھ مت دینا۔"

اس کے بعد خط اشعر سے پڑھا نہ گیا' اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا' عظمیٰ بیگم نے گرا ہوا خط اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیا' اور جو حال اشعر کا ہوا وہی ان کا بھی ہوا۔

علی رضا جان گئے تھے کہ شہوار رنج اور حسد کی آگ میں جلتا ہوا سمن تک پہنچ گیا ہوگا' زہرا بیگم نے خود تمام داستان انہیں سنا کر اور راز دار کا درجہ دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ سمن کی اس کے مفادات کی ہر حال میں حفاظت کرنی ہے' کہیں ان سے بھول ہو گئی تھی' اگر وہ انگلینڈ نہ جاتے تو شاید یہ دل خراش واقعہ پیش نہ آتا۔

عظمیٰ بیگم نے حیرت سے انہیں بتاتی وہ گہری سوچ

میں ڈوبے ہوئے تھے‘ اچانک فون کی گھنٹی بجی علی رضا نے سوچتی نظروں سے فون کی طرف دیکھا اور انجانے بھرے چپ چاپ اشعر کی طرف بڑھا دیا وہ تو جیسے زندگی کی اذیتیں لیے ہوا تھا۔

"بیٹا فوراً گھر آؤ۔" زیدی صاحب بہت عجلت میں تھے ایک جملہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

"مجھے سمن کی جائیداد کے کاغذات بھی لے سوچے تھا‘ کچھ ضروری کارروائیاں کرنی ہیں جن کے لیے مجھے اسلام آباد جانا پڑے گا کیونکہ بہرحال ان کی قانونی حیثیت ہے‘ اگر آپ کہیں تو میں سمن کے معاملے میں آپ کی مدد بھی کرنے کو تیار رہوں بشرطیکہ وہ خود ہی شخص اپنی ضد چھوڑ دے۔" علی رضا کے لہجے میں گہرا دکھ تھا۔

نہ جانے عظمیٰ بیگم اور علی رضا کے درمیان کیا کیا مذاکرات ہوئے اسے ایک حرف بھی سمجھ میں نہیں آیا‘ ان ہی سوچوں کے درمیان بھٹکتا ہوا گھر پہنچا سب جیسے اس کا انتظار کر رہے تھے‘ ایک سال میں ہی یکجا ہوئی تھی۔

"اشعر بیٹا ایک ضروری بات کرنی ہے تم سے۔" زیدی صاحب کو الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے کہ وہ کیسے بات شروع کریں۔

"ڈیڈی کہیں۔" وہ تھکے تھکے انداز میں ان کے قریب بیٹھ گیا‘ سب کے چہروں پر جیسے کوئی کہانی لکھی ہوئی تھی۔

"بیٹا جب تم علی رضا کی طرف گئے ہوئے تھے تو اندازے شہوار کی وائف کا فون آیا تھا‘ وہ بہت شرمندہ ہے‘ تم سے معافی بھی نہیں مانگ سکتا کیونکہ فالج کرنے سے اس کی قوت گویائی بھی متاثر ہوئی ہے اور... اور یہ کہ سمن اپنے پرانے گھر میں ہے جیسے یہاں سے گئی تھی ویسی ہی ہے۔"

وہ بیٹے سے اس کے علاوہ کہہ بھی کیا سکتے تھے۔

"قصوروار تو وہی تھی کہ شہوار صرف اور صرف اپنا بدلہ لینے کے لیے اسے لایا تھا کہ اسے اپنی بات منوانے کے جانے کا شوق تھا وہ یہاں سے چلی گئی‘ اس نے سمن کو چھوڑ دیا تھا کیونکہ قدرت شہوار سے انتقام لینے والی تھی‘ یہاں سے جاتے ہی سب سے پہلے اس کی ٹانگیں فالج سے متاثر ہوئیں اور اب بہرحال ہے کہ وہ مکمل معذور ہو چکا ہے۔" زیدی صاحب ٹھہرے ٹھہرے انداز میں بتا رہے تھے اور سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے‘ وہ گاڑی کی چابی لے کر نکل گیا‘ آج انکشاف در انکشاف ہوئے تھے‘ سمن کی بے گناہی تو ثابت ہو گئی تھی‘ علی رضا شکست لے گئے تھے‘ طے پایا تھا کہ وہ غازی اور اشعر جائیں گے‘ وہ جانا تو نہیں چاہ رہا تھا‘ ایک شرمندگی سی تھی‘ خوف تھا‘ جانے وہ اس کا سامنا کر سکے گا یا نہیں اسی کشمکش میں وہ علی ایئرپورٹ سے باہر نکلا۔

"اشعر تم جاؤ میں اور غازی ذرا ایک ضروری کام سے جا رہے ہیں‘ رات کو ملاقات ہو گی۔" سمن کے ایڈریس اسے تھمایا اور وہاں سے گزرتی ٹیکسی کو روک کر غازی سمیت بیٹھ گئے۔

♥—♥—♥

"اب تمہیں عمر بھر یہی رہنا پڑے گا‘ دیکھ لیا انکار کا نتیجہ‘ سمجھی ہو گی کہ میں تمہارے عشق میں پاگل ہو کر تمہیں لایا ہوں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے‘ آج سے تم ایک سوکن کی پناہ میں رہ رہی ہو‘ تمہاری کوئی پیار بھری سرگوشیاں اور وارداتیں کی ہوں گی‘ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے تم سے اور یہ طلاق بھی‘ شوق تھا میں تمہیں بچھڑ لے‘ میں نے اپنی وائف نینا سے بھی مشورہ کیا تھا۔" وہ باہر جا چکا تھا‘ ماڈل گرل نینا سے شادی کرنے کے بعد بھی افسوس کا کانٹا شہوار کے دل سے نہ نکلا تھا کہ کلی بچھڑی تو سے بہ ہاتھوں پر رنگ چھوڑے بغیر وہ اڑ گئی ہے‘ اسی لیے وہ کہتا تھا کہ میں نے تو سمن کو طلاق دی ہی نہیں ہے‘ بہرحال اب تو اس نے تحریری طلاق بھی دے دی تھی‘ سمن کی شادی کا سن کر اس کے سینے پر سانپ لوٹ گئے تھے‘ حسد کا مارا شخص خاندانی جائیداد کو عیاشیوں میں لٹا چکا تھا اب سمن کی جائیداد پر اس کی نظر تھی‘ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔

ماڈل گرل نینا اس کی وجاہت پر مرمٹی تھی وہ خود بھی دولت مند خاندان کی لڑکی تھی اس نے سب



سے لڑ کر لے گر اس سے شادی کی تھی پر قدرت کو اور ہی منظور تھا' شہوار کی ٹانگیں فالج سے بیکار ہو گئیں' آہستہ آہستہ سارا جسم ہی مفلوج ہو گیا' اس دوران وہ ایک بیٹے کا باپ بھی بن چکا تھا' شہوار نے رو رو کر حسن سے معافی مانگی تھی' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ قدرت کے اس بدلے پر رو سکتا ہے۔

نبیلہ دل و جان سے شہوار کی مشرقی عورت کی مانند خدمت کر رہی تھی' اس نے انڈیا کے بڑے بڑے ڈاکٹر سے اس کا علاج کروایا تھا' ساڑھے ڈھائی سال کے ہوتے ہی اس نے شہوار کے علاج کے لیے بیرون ملک جانے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں' نبیلہ نے رپورٹس امریکا بھجوا دی تھیں' جانے سے پہلے شہوار اشعر کو تمام صورت حال بتا کر معافی مانگنا چاہتا تھا اس لیے اس نے نبیلہ سے کہہ کر پاکستان فون کروایا' وہ جانتا تھا حسن بہت خوددار لڑکی ہے خود بھی فون کرے گی نہ ہو سکی تو تبھی خود اس نے نبیلہ سے کہا کہ وہ اس کا پیغام حسن تک پہنچا دے۔

حسن ابھی حویلی آئی تھی اس کی واپسی کا سنتے ہی کریم اور چھیما (پرانے ملازم) بھی لوٹ آئے تھے' زندگی تو بسر کرنی ہی تھی' تعلیمی سال بھی ضائع ہو چکا تھا اس نے بی اے کا امتحان پرائیوٹ دیا' ان ہی دنوں اس کے ساتھ والے گھر میں فرانس میں مقیم ایک فیملی آئی' انہوں نے یہ گھر خرید لیا تھا' حسن کے ساتھ ان کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی' عظمت اور اسماء دو لڑکیاں تھیں اور دونوں اپنا بیشتر وقت اس کے گھر گزارتی تھیں' اسد انکل وہ اس میں اپنے ایک عزیز دوست کی بیٹی کی شادی میں بمعہ بیگم اور عظمت گئے ہوئے تھے' چونکہ اسماء کے بی اے کے پیپرز کے امتحان نزدیک تھے وہ نہیں گئی اور حسن کے پاس رک گئی' رات بھی وہ ادھر ہی تھی' وہ حسن کی زندگی کے اس کربناک پہلو سے واقف ہو چکی تھی کئی بار اس نے مشورہ دیا کہ اشعر سے رابطہ کرو' پر اس کی خوددار فطرت نے نہیں گوارا کیا۔

وہ سب یاد آتا تھا' ساتھ اس کی چاہت کے شروع ایام اور پیار بھرے فقرے بھی یاد آتے تھے' نکاح کے فوراً بعد اس کے فون سے وہ حوصلہ چھوڑ بیٹھی تھی' اسے لگا تھا کہ وہ بھی شہوار کی طرح اسے چھوڑ دے گا' بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ وہ اسے چاہنے لگا ہے' حسن نے ہر طرح سے اس کا امتحان لیا تھا اور جب وہ اس کے امتحان میں کامیاب قرار دیئے گئی تو سارا کھیل ہی بگڑ گیا تھا' اس کی عقل نے کسی بات کا بھی اعتبار نہ کیا تھا۔

وہ تنہا کرلان میں آ گئی اور بے چینی سے بیٹھ گئی' یہ اس کا پسندیدہ حصہ تھا' اسماء اندر تھی' گیٹ کی بیل بجی اس نے نظر انداز کر دیا' دوسرے لفظوں میں وہ ٹیک ہی رہی تھی' چھیما اور کریم بھی کہیں نظر نہیں آ رہے تھے' اسماء ہی اندر سے نکلی اور اسے گھورتے ہوئے گیٹ کھول کر جھانکا' باہر ایک اجنبی مگر وجیہ سی چھاتی شخصیت تھی' وہ اور اسماء متاثر ہو گئی۔

"حسن صاحبہ کہیں رہتی ہیں؟" اس نے شائستگی سے پوچھا۔

"جی ہاں آپ اندر آ جائیں۔"

اسماء نے ہٹ کر اسے جگہ دی اور خود حسن کی طرف آ گئی۔

"یار باہر ایک ہینڈسم سا شہزادہ تجھ سے ملنے آیا ہے' بہت آئیڈیل جیسی' شکل وہی بلیو جینز اور نام کو زرد سے ملتی جلتی قد لمبا شانوں سے بھی اونچا اور بالوں کا اسٹائل۔"

"بس کرو بس' ایک تو میں تم سے تنگ ہوں' ہر وقت ہالی وڈ کے اسٹار تمہارے ذہن میں گردش کرتے رہتے ہیں۔" حسن نے ہاتھ اٹھا کر اس کی چلتی زبان کو روکا۔

"مگر اتنا زبردست بندہ مجھ سے ملنے آتا تو میں پتا نہیں کیا کیا کر ڈالتی۔" اسماء پرجوش انداز میں ایڑیوں پر گھومی اور اسے اپنے پیچھے دیکھ کر شرمندگی سے ساکت ہو گئی' ساکت تو حسن بھی ہو گئی تھی' اسماء نووارد کی اور حسن کی کیفیت دیکھے جا رہی تھی' اس شہوار سے شخص کی آنکھوں میں اچانک ہزاروں دیئے جگمگانے لگے تھے جبکہ حسن کو گرا سا لگ رہا تھا جا رہی تھی اچانک اس کا ساکت وجود ہی منجمد

انداز میں اس کی طرف بڑھی اور دونوں ہاتھوں سے اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکے دینے لگی۔

"کیا لینے آئے ہو اب یہاں ظالم انسان کیا میری بے گناہی کا ثبوت مل گیا ہے۔" وہ کسی طرح چلا رہی تھی' اسماء کو سخت شرمندگی ہوئی' اس نے قطعی حوالہ نبی سمن کو قابو کرنا چاہا لیکن اس کے ہاتھ بھی جھٹک گئی۔

"نکل جاؤ ہمارے گھر سے تم ذلیل کمینے۔" وہ کسی طرح اشعر کو نوچ رہی تھی' اس کے سینے پر کچھ رہا رہی تھی' ناخنوں سے خراشیں ڈال رہی تھی' اشعر کے گریبان کے تمام بٹن ٹوٹ چکے تھے سینے اور بازوؤں سے خون رسنے لگا تھا' اسماء کو بڑی حیرت ہوئی' وہ لمبا تڑنگا نوجوان سمن جیسی نازک لڑکی سے پٹ رہا تھا اس نے ایک بار بھی سمن کا ہاتھ روکنے کی کوشش نہیں کی' وہ خود ہی جب تھک گئی تو روتے ہوئے اندر بھاگ گئی۔ اسماء کی نظریں مارے شرمندگی کے اٹھ ہی نہیں رہی تھیں۔

"آئی ایم سوری بیٹا نہیں اسے کیا ہوگیا ہے بہرحال آپ بیٹھیں میں ڈیڈی کے کپڑے لاتی ہوں۔" وہ وارڈروب کھول کر جو سمن کی طرف اتری چند منٹ بعد وہ دوبارہ سامنے تھی' ہاتھوں میں تین چار شرٹس اور سوٹ اٹھائے۔

"تھینکس سوچ لیجیے یہ شرٹ میں سنبھال کر رکھوں گا' بڑی یادگار شرٹ ہے۔" اشعر مسکرا رہا تھا' اسماء کو عجیب سی حیرانی ہوئی۔

"میں اشعر ہوں سمن کا شوہر۔" اس کی حیرانی دور ہو گئی۔

رات علی رضا اور عادی بھی آ گئے ممی دونوں سے اس نے وہ سلوک ہرگز نہیں کیا جو اشعر کے ساتھ کیا تھا لیکن دونوں نے نہ جانے اسے کیا کہا تھا وہ جانے پر راضی ہو گئی۔

سب نے کھلے دل سے اسے خوش آمدید کہا' اپنی غلط فہمی کی معافی مانگی' سونی اور علی کے شادی کے کارڈ تقسیم کر آئے تھے' وہی ہنگامہ اور شور تھا' اشعر کو سب اچھا لگ رہا تھا' ساری اکتاہٹ بھاگ گئی تھی' سمن کی بولتی بند تھی' دوسرے شہروں سے تمام عزیز رشتہ دار پہنچ چکے تھے' سمن کا سونی کے کمرے میں برا حال تھا' جب سے آئی تھی اس کا ٹھکانہ وہی تھا' گھر میں اتنے مہمان تھے کہ اشعر ملنے کے بہانے ڈھونڈتا اور ناکام ہو جاتا' گویا اتنی بڑی ہو رہی تھی کہ پہلے والی سمن لگتی ہی نہ تھی' البتہ باقی سب کے ساتھ اس کا رویہ اچھا تھا' ایک وہی زیر عتاب تھا۔

آج سونی کی مہندی تھی' شام سے ہلچل مچی ہوئی تھی' کسی طرح تیاریاں ختم ہونے میں ہی نہ آ رہی تھیں' سمن استری اسٹینڈ پر کھڑی سب کے کپڑے پریس کر رہی تھی۔

"بھابی تمہاری نیلی جیو لائنوں والی ٹائی کہاں ہے؟" عادی اس سے پوچھ رہا تھا۔

"میری وارڈ روب میں دیکھو وہاں میرے کپڑے دیکھو پریس ہو کے آ گئے ہیں کہ نہیں۔" اشعر بھی ادھر ہی تھا' سمن نظروں کی گرفت میں تھی۔

"بھابی... بھابی میری شرٹ کا کیا حال ہو رہا ہے کیا کسی سے پریس ہو گئی ہے۔" عادی یاد آیا' تو اس کی وہی شرٹ اٹھائے آیا جس پر کئی سے آگے کی طرف خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔

"اچھا' لڑائی ہی ہو گی' تو اب حساب بھی لینا ہے انہیں۔" اشعر عین سمن کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا' وہ ناگواری کے انداز میں اسے گھورنے لگی۔

گھر میں سبھی اس کا گریز محسوس کر رہے تھے' عظمیٰ بیگم کو تو سونی سے پتا چلا تھا کہ وہ رات کو سونی بھی اس کے کمرے میں ہے' بیچاری کی یہ ادا اشعر کے لیے جان لیوا تھی۔

سمن تیار ہو کر اپنی دلہن میں موم بتیوں کا تھال اٹھائے لہنگے کا دوپٹہ سنبھالتی سیڑھیوں سے اتر رہی تھی' اشعر اوپر جا رہا تھا' وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا' اس تیزی میں اس نے سمن کو بھی نہ دیکھا' وہ کسی طرح اس سے ٹکرائی' موم بتیاں اور مہندی کا تھال نیچے جا گرا' سنبھلنے کی کوشش میں سمن کا پاؤں مڑ گیا' وہ مارے تکلیف کے وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

"چلو اوپر میں کوئی دوا لگاتا ہوں۔" اشعر اسے سہارا دیتے اوپر چلا۔

"کروٹ لے لی۔" تکلیف فراموش کر کے رونا بھول کر وہ بولی "اگر کوئی اور وقت ہوتا تو اشعر اسے اس بات کا جواب دیتا مگر افسوس ہر طرف لوگ آ جا رہے تھے" وہ غصے میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا اوپر چلا گیا۔

رات کو محفل موسیقی کا پروگرام تھا۔ اس وقت پنڈال میں تل دھرنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ سامنے ہی سمن اور علی کے ساتھ عامر، زویا، اشعر اور عالیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ زویا نے اسے دیکھا تو [illegible] بیٹھی اور سمن کے ساتھ اس کی جگہ خالی ہو رہ گئی۔ اسے بیٹھے ہوئے کچھ دیر ہوئی تھی کہ اس کے دائیں پاؤں میں شدید درد شروع ہو گیا۔ تکلیف کی شدت سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ زویا فوراً متوجہ ہوئی۔

"آپی ہمارے پیر میں شدید درد ہو گیا ہے ہم سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔" [illegible]

"اشعر سمن کے پاؤں میں درد ہو رہا ہے آپ اسے اندر لے جاؤ اور فوراً ڈاکٹر ناصر کو فون کرو۔" زویا اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی اور اشعر کی طرف بڑھایا۔ اس نے سمن کو اپنے مضبوط بازوؤں کا سہارا دیا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ہرگز یہ سہارا قبول نہ کرتی۔ پر اس درد نے سب کچھ بھلا دیا ہوا تھا۔ اشعر نے فوراً ڈاکٹر کا نمبر ڈائل کیا اور اسے جلدی آنے کی تاکید کی۔ سمن باقاعدہ ہچکیاں لے کر رو رہی تھی۔

"کیا زیادہ درد ہو رہا ہے؟" اشعر نے پوچھا وہ نظر انداز کیے رونے میں مصروف رہی۔ وہ بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"ہاتھ ہٹاؤ پاؤں دیکھوں۔" سمن نے مضروب پاؤں کو سختی سے پکڑا ہوا تھا۔ اشعر نے اس کا ہاتھ ہٹایا سفید اور گلابی امتزاج لیے خوبصورت مرمریں پاؤں پر بظاہر کوئی نشان نہ تھا۔ ڈاکٹر ناصر نے کوئی مرہم لگایا! گولی اور گولیاں دے کر فوراً پانی سے نگلنے کے لیے کہا اور رخصت ہو گئے۔ چند منٹ بعد اسے واقعی سکون آ گیا۔ اشعر کی نظر پڑی تو سب بھول گیا وہ اس کے بیڈ [illegible] بیٹھ گئے۔

[illegible] ہو جائے گا۔ سمن کا ارادہ بھانپتے ہی بجلی کی تیزی سے وہ اس کی طرف آیا تھا۔

فوراً چہرے سے ہوئی اشعر کے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ آ گئی، وہ غور سے اسے دیکھنے لگا۔ معصوم شرٹ اور شلوار کے جوڑی دار پاجامے میں بلیوں روئے روئے بکھرے بکھرے حلیے میں وہ بچی سی لگ رہی تھی وہ بھی اس کی وارفتہ اور گرم نگاہوں کو محسوس کر رہی تھی۔ خوامخواہ چوڑیوں سے کھیلنے لگی۔ چند منٹ بعد نظریں اٹھائیں کہ شاید وہ اسے نہ دیکھ رہا ہو، پر وہ تو

سمی ہاتھ میں لیے دیکھ رہا تھا۔ اس کی شرٹ بھیگی بھی
وارفتہ نگاہوں نے اسے بوکھلا دیا۔ ساری منصوبہ بندی اور
سمی کی پلاننگ سمن کرا زکی نانازی کے بلاوے پر دھرا رہ گیا تو
اس نے سکون کا سانس لیا۔

سمی رخصت ہو کر علی کے گھر چلی گئی تھی ایسے میں
سمن نے اپنی واپسی کا اعلان کر کے سب کو حیرت میں
ڈال دیا۔ سب اسے روکنے کی بھرپور کوشش کر رہے
تھے۔ بشریٰ بیگم نے واسطے دیے تھے۔

"اشعر نے اپنے چہرے پر خوشی دیکھی ہے۔ اس
خوشی کو مت برباد کرو۔" وہ گڑگڑا رہی تھیں' دانیال' زید'
حارث صاحب سب نے روکا تھا' لیکن سمی نے
واسطے دیے' نانازی کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ جا
رہی ہے۔

"بھابھی آپ مذاق کر رہی ہیں نا' آپ ایسا ظلم
مت کریں پلیز۔" وہ گڑگڑایا۔

"کوئی مذاق نہیں کر رہے ہیں ہم کو رونے سے اور
جو ظلم ہوا ہے اس کا حساب کون دے گا ہمارا خود سے
وعدہ تھا کہ ہم ایک بار یہاں ضرور آئیں گے اور اپنی
بے گناہی ثابت کریں گے قدرت نے خود ہی یہ کام کر
دیا ہے اب ہمارے رکنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔" وہ
سنجیدگی سے بولی۔

"بھابھی بھائی مر جانے کا پہلے بھی وہ خود کو دھوکا
دینے کے لیے دوسرے ملکوں کی خاک چھانتے رہے'
ممی ان کی جدائی میں بیمار ہو گئی تھیں اب قدرت نے
موقع دیا ہے خوشیاں دی ہیں پلیز ان کا خیال کریں۔"

"بہت اچھے ہو سمی۔" وہ بہت مشتعل ہو رہی تھی کل
وہ جو رہی تھی موسم ابر آلود ہو رہا تھا' رات وہ کمرے
میں گھسی اپنا چھوٹا موٹا سامان پیک کر رہی تھی' جب
ٹھوکر سے دروازہ کھولے اس کے سنبھلنے سے پہلے
اشعر اندر آ چکا تھا اور دروازہ بھی بند کر چکا تھا۔

"مجھے چھوڑ کر جاسکو گی۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"ہاں۔" وہ اتنی ہی تیزی سے بولی اشعر ہوش سے
بیگانہ ہو گیا۔

"چٹاخ۔" اشعر کا تھپڑ سمن کا حشر ابتر کر گیا۔

"آپ بھول گئی ہیں۔" وہ بچوں کی طرح غرایا وہ
دھیرے دھیرے سسک رہی تھی۔

"میں پوچھتا ہوں اب جاؤ گی۔" اشعر نے غصے میں
اسے بیڈ پر دھکا دیا۔ وہ روتی رہی۔

"ایک صورت میں جا سکتی ہو' یہ لو اور مجھے مار دو
میرے جیتے جی تم یہاں سے نہیں جا سکتیں کبھی
نہیں۔" اشعر نے دراز کھول کر ریوالور اس کی طرف
پھینکا وہ اسی پوزیشن میں گری سسکیاں لے رہی تھی۔

"پکڑو اسے اور فیصلہ کرو آر یا پار۔" اشعر نے
زبردستی اسے ریوالور تھمایا۔

"آپ انتہائی ظالم ہیں۔" وہ فقط یہی کہہ
سکی۔

"پلیز میں منتظر ہوں۔" وہ اسی عالم میں تھا' سمن
کے ہاتھوں سے ریوالور چھوٹ کر قالین پر گر پڑا۔

"بس اتنی ہمت تھی۔" اشعر نے اسے جتایا۔

"ہم کسی چچا کے بیٹے تک کو نہیں مار سکتے اور
آپ ہمیں پستول دے کر ایک جیتے جاگتے انسان کو
مارنے کا کہہ رہے ہیں وہ بھی خود کو۔" وہ بیڈ سے
اٹھی۔

"خوب فرمایا محترمہ آپ نے کہ آپ چچا کے بچے
تک کو نہیں مار سکتیں اور یہاں آپ نے اپنے گھر میں
ایک چھ فٹ کے لمبے تڑنگے انسان کا جو حشر کیا تھا اس
کی نشانیاں اب بھی موجود ہیں۔" اشعر نے شرٹ کے
بٹن کھول کر سینہ اور گردن اسے دکھائی جہاں خراشوں
پر کھرنڈ جما ہوا تھا۔

"آپ کو تو بس طنز کرنا آتا ہے۔" شرمندگی میں وہ
یہی کہہ سکی۔

"ہاں صاحب ہمیں تو بس طنز کرنا آتا ہے اور آپ
کو تو دل جلا کر راکھ کرنا آتا ہے' زخم لگانا آتا ہے' تڑپانا
آتا ہے' کبھی پوچھا مجھ سے کہ اشعر تمہارے زخموں کا
کیا حال ہے جو ہم نے اپنے شاہکار ہاتھوں سے
لگائے تھے۔"

وہ اس کے مقابل کھڑا شرح نظروں سے اسے دیکھ
رہا تھا۔

"ہمیں ہم سے غلطی ہو گئی تھی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"غلطی کی بھی خوب کہی' غلطی یہ بھی ہو سکتی تھی
کہ آپ اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے ہمارے
زخموں کا معائنہ کرتیں' مرہم لگاتیں' حال احوال

پوچھتیں۔" وہ بولی طرح ... میں آچکا تھا حسن کی بھی نظر حیرانی سے اٹھی وہ اس کی شرارت جان گئی تھی۔

"رک جاؤ ناں۔" دنیا بھر کی التجائیں اشعر کے لہجے میں سمٹ آئی تھیں۔

"ہرگز نہیں۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"کیا؟" اشعر کو شاک سا لگا۔

نہ جانے کیا سوچ کر اپنے بیگ کی طرف بڑھی اور تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر وہ اس کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ کا یہ عہد نامہ بھی کیا ابو کو دکھا کر جائیں گے؟" پل بھر میں وہ اس کی شرارت جان گیا اور جھپٹ کر اس کی کلائی پکڑنی چاہی۔

"غازی پلیز ہیلپ می۔" وہ سب کے محو خواب ہونے کی پروا کیے بغیر چلائی، اشعر نے اس کی کلائی ایک دم چھوڑ دی کیونکہ غازی کے ساتھ سارا شہر لو بھی تھا وہ جیسے انتظار کر رہے تھے کہ کب وہ آواز دے اور وہ کود پڑیں۔

"ہم اپنی بہن کو بچانے آئے ہیں۔" نئی دلہن سنی سب سے آگے تھی۔

"تمہیں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔" وہ قہر آلود نظروں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔

"ہم تمہیں تو پہلے انکل اور آنٹی دیکھیں گے آخر انہیں بھی پتا چلے کہ صاحبزادے کسی اور کو پسند کرتے ہیں اور عہد نامے لکھ کر دیے جاتے ہیں۔" عامر کو شاید پتا چل گیا تھا تب ہی تو وہ حسن کے ہاتھ میں تھامے کاغذ کا ایجنٹ 007 کی طرح جائزہ لے رہا تھا۔

اشعر نے لپک کر اسے قابو کر لیا تھا، وہ سارے ہنسی سے بے قابو ہو رہا تھا۔

رت ہے حسین رنگین سماں رک جاؤ ناں، جاؤ ناں
کیسے کہوں تمہارے بن اس دل میں چھپے ہیں کیا کیا
ارماں

غازی نے ڈیک کا بٹن آن کر دیا تھا، سارے گھر میں میوزک کی آواز پھیل گئی۔

"نہیں ابھی سب کو بتا کر آتی ہوں کہ آپ نہیں جا رہی ہیں۔" وہ ابھی دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا اب

سب ہنسی سے گھیرے کھڑے تھے۔ "ہم ... بابا ... حسن ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی ... نشیب کھسک رہی تھی۔

"دیکھ لوں گا تمہیں بھی۔" اس نے ... چھپاتے ہوئے حسن کو دھمکی دی تو وہ زور زور سے ہنس دی ... ہو گئی۔

"بزرگ حضرات اور عزیزی تشریف لا رہے ہیں۔" غازی بھاگتا ہوا آیا۔

"پلیز حسن یہ کاغذ مجھے دے دو۔" اشعر گڑگڑایا۔

"ہرگز نہیں حسن یہ اس کے خلاف ثبوت ہے ہمارے پاس۔" وہ سب یک زبان ہو کر چلائے۔

"کیا خیال ہے دے دیں؟" وہ شاہانہ بے نیازی سے بولی۔

"دے دیں، دیکھیں ناں بھائی کا حال کیا ہو رہا ہے۔" غازی نے سفارش کی۔

"اچھا پھر لیں۔" وہ کہتے ہوئے بولی اشعر نے سب کی موجودگی کی پروا کیے بغیر اس کا بازو تھام لیا اور سرگوشی کی۔

"یہ سب ابھی لوٹ جائیں گے پھر تم میرے رحم و کرم پر ہی ہو گی، دیکھنا تمہاری ہمت۔" وہ صاف دھمکی دے رہا تھا، حسن نے بازو چھڑا لیا۔

"پتہ کیا کہہ رہا تھا۔" نوبیا، سنی اور دانیہ اس کی طرف لپکیں، وہ مسکرائی، سارے تین سال پہلے کے تمام خوف بھلا بن کر اڑ چکے تھے، وہ کیوں نہ خوش ہوتی، اب تو خوشی اس کا حق بنتی تھی، اسے نہیں پتا تھا اس کی آخری منزل اشعر ہی تھا، جو اسے اپنی شوخ اور گستاخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، یہ سب اس کے اپنے تھے، دکھ ملتے ہیں تو زندگی کے کسی موڑ پر خوشی بھی ضرور ملتی ہے، آنسو پس منظر میں رہ جاتے ہیں، سامنے تو بس اجالا ہی اجالا ہوتا ہے، آگے کے راستے بہت صاف تھے، اور اشعر جیسے ہم سفر ہوں تو زندگی حسین ہو جاتی ہے۔

لڑکیوں کے نرغے میں پھنسے اشعر کو دیکھ کر وہ پھر مسکرائی اور آسودہ سانس لی، رت واقعی حسین تھی اور اسے رکنا ہی تھا۔

